قیمت: پانچ روپے Rs.5/-

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد:۳۴ شمارہ:۳۰ ۲۳تا۲۹ جولائی ۲۰۲۱ء — ۱۲تا۱۸ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ

Year-34 Issue-30 23 - 29 July 2021 Page 16

جرائم پر قابو پانے کیلئے نظامِ عدل میں اصلاح کی

ضرورت

انصاف وہی جو جلد ہو اور جو نظر بھی آئے

جرائم کا وجود انسانی فطرت کا حصہ ہے تاہم انھیں قابو میں رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ نظام انصاف میں فعالیت وشفافیت پائی جائے اس لیے کہ انصاف وہی ہے جو جلد ہو اور نظر بھی آئے۔

محمد سالم جامعی

جرائم سے دنیا کا کوئی ملک اچھوتا نہیں ہے۔ کم ہوں یا زیادہ، سنگین ہوں یا معمولی بہر حال دنیا کے ہر کونے، ہر خطے اور ہر ملک میں ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ یہ ایک فطری تقاضہ ہے اور جب یہ تقاضہ انسان پر غالب آتا ہے تو وہ اسے جرم کی حدوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اسلام ایک دین فطرت ہے اور اس نے انسانی فطرت کو جرائم سے پاک کرنے کی بیحد کوشش کی ہے مگر پھر بھی اس کے صالح ترین سماج میں بھی جرائم کا وجود دیکھنے میں آجاتا ہے۔ جرائم کا ارتکاب ہر مذہب، ہر سوسائٹی یہاں تک کہ خاندان اور قبیلوں میں بھی ایک ناپسندیدہ عمل ہے اس کے لیے سزائیں بھی مقرر ہیں اور انھیں روکنے اور ان پر بندش لگانے کیلئے قوانین بھی موجود ہیں۔ دنیا کے ممالک میں جیلیں اسی لیے قائم کی گئی ہیں تاکہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو بطور سزا ان میں محصور کیا جائے۔

بین الاقوامی قانون کے مطابق ان محصورین کے بھی حقوق متعین ہیں اور اقوام متحدہ کے ذریعہ انھیں منظوری دی گئی ہے جن کے ذریعہ انھیں انسانیت پر مبنی سہولیات مہیا کرائی جاتی ہیں۔ دنیا کے اکثر ملکوں میں جیلوں کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے قدم اُٹھائے جاتے رہے ہیں۔ خود اپنے ملک ہندستان میں بھی جیلوں میں اصلاحات اور قیدیوں کو بین الاقوامی قوانین کا فائدہ دینے کے لیے متعدد مرتبہ کمیشنوں کی تشکیل کی گئی ہے جن کی سفارشات پر عمل درآمد کی بھی کوشش کی جاتی رہی ہے مگر اس کے باوجود ہمارے یہاں جیلوں کا نظام بین الاقوامی معیار سے کافی پیچھے ہے جس کی سب سے اہم وجہ قیدیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہے اور جس کی وجہ سے جیل خانوں کی تعداد اور ان کے ملازمین کی تعداد کم پڑ جاتی ہے۔

(باقی ص۴ پر)

اندر پڑھیے

- کیا اسلام میں جبراً کسی غیر مسلم کو مسلمان بنایا جاسکتا ہے؟ ص۵
- بچوں کی تعلیم و تربیت: چند باتیں ص۸
- غیر ازدواجی تعلقات اور نوجوانوں کی روزافزوں بے راہ روی ص۹
- خلع اسلام کا ایک عادلانہ نظام ص۱۰

فلسطین-غزہ بن گیا ہے فلسطینی بچوں کیلئے خوفناک

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوتریس نالہ خواں ہیں کہ ''دنیا میں کہیں جہنم ہے تو وہ غزہ کے بچوں کے لیے ہے۔'' ان فلسطینی بچوں پہ موت پہلی بار نازل نہیں ہوئی۔ وہ پیدا ہی ایک ایسے نظام میں ہوئے ہیں جہاں مذہبی ونسلیاتی نفرت انگیزی صبح شام موت کی دعوت دیتی ہے۔ آگ اور خون کا یہ کھیل چلتا رہتا ہے جس میں ظالم ومظلوم ایک ہی صف میں کھڑے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ قبضہ گیر نوآبادیاتی ظالم کو تاریخ کی عدالت میں نہ کھڑا کیا جاسکے۔ تاریخ بھی کتنی ظالمانہ ہے۔ ہزاروں برس تک یہودی بیسیوں بار اپنی مقدس دھرتی سے بے دخل کیے جاتے رہے تا آنکہ دوسری جنگ عظیم میں ان کا بدترین قتل عام یا ہولوکاسٹ نہیں ہوگیا۔ فلسطین پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں سے برطانوی قبضے میں آگیا اور پھر دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر برصغیر ہندوستان کی طرح انگریزوں نے فلسطین کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کردیا۔ یوں ایک طرف زیادہ تر عرب علاقوں پر اسرائیلی ریاست قائم ہوئی جو مغربی کنارے کے مغرب میں تھی اور باقی ماندہ مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم اردن اور غزہ مصر کے پاس چلا گیا۔ یہ ایک خوفناک تقسیم تھی۔ ۱۴رمئی ۱۹۴۸ء کو چھ لاکھ تیس ہزار یہودی اور بارہ لاکھ عرب اس علاقے میں تھے۔ برصغیر کی پارٹیشن کی طرح چھ لاکھ اسّی ہزار یہودی مہاجر اسرائیل پہنچے، جبکہ سات لاکھ گیارہ ہزار فلسطینیوں کو وطن بدر کردیا گیا۔ پاکستان اور بھارت کی پہلی کشمیر جنگ کی طرح ۱۹۴۸ء میں عربوں اور اسرائیل کے مابین خوفناک جنگ ہوئی جس میں اسرائیل نے مزید عرب علاقے ہتھیا لیے۔ مذہب کے نام پر پاکستان کی طرح قائم ہونے والی یہودی ریاست نے اپنے بنیادی اعلان نامے میں اسرائیل کو دنیا بھر کے یہودیوں کی ریاست ہونے کا اعلان تو کیا لیکن ساتھ ہی اسرائیل میں بسنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے جمہوری حقوق کی یقین دہانی بھی کروائی۔ لاکھوں یہودیوں کے ہولناک نسلی امتیاز اور سامی دشمنی (Anti Semitism) کا نشانہ بننے سے یہودی ریاست ہوتے ہوئے بھی اسرائیل کو ایک جمہوری راہ لینی تھی، لیکن اسرائیل بھی دوہرے نظریاتی مخمصے کا شکار ہوگیا۔ اسرائیل صیہونیت پسندی کے باعث نہ صرف مسلمان عرب اقلیت بلکہ ملحقہ فلسطینی علاقوں کے لیے جان لیوا ریاست ثابت ہوئی۔ اسرائیل ایک نوآبادیاتی آبادکار ریاست کے طور پر مستحکم ہوا جہاں دنیا کے کسی بھی یہودی کو واپس آنے کا حق ہے، لیکن وطن بدر فلسطینیوں کی واپسی کا حق اسے قبول نہیں۔ ابتداً تو یہ ایک سوشل ڈیموکریٹک ٹائپ ریاست تھی، پھر یہ عالمی سرمایہ داری اور خاص طور پر امریکی سامراج کی علاقائی حاکمیت کا حصہ بن گئی۔

۷۳ برسوں میں اسرائیل کی عربوں کے ساتھ جنگوں اور فلسطینیوں کے بار بار قتل عام سے اور خاص طور پر ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اسرائیل مغربی کنارے، مشرقی یروشلم اور غزہ کی پٹی پہ قابض ہوگیا۔ قوم پرست عربوں کو شکست فاش ہوئی۔ لیکن پھر فلسطینیوں کی قومی مزاحمت ابھری جو تا حال جاری ہے۔ فلسطینیوں کی متعدد تنظیمیں، جن میں خاص طور پر الفتح اور پی ایف ایل پی شامل تھیں، ابھریں جنھوں نے مسلح جدوجہد کا رستہ اختیار کیا۔ ان تنظیموں کے اشتراک سے فلسطینی محاذ آزادی (پی ایل او) وجود میں آئی جس نے فلسطینی آزادی کی سب سے معتبر تنظیم کے طور پر اپنی حیثیت منوالی۔ دریں اثنا فلسطینی اور عرب اتحاد ٹوٹ گیا

یاسر عرفات کی وفات کے بعد فلسطینی اتھارٹی فلسطینیوں کو متحد نہ رکھ سکی اور جمہوری عمل رک گیا۔ ۲۰۰۶ء کے بعد صدر کا انتخاب ہوا نہ کونسل کا۔ سوویت یونین کے انہدام اور ۲۰۰۱ء میں ۹/۱۱ کی دہشت گردی کے بعد عرب دنیا میں مذہبی شدت پسندی میں اضافہ ہوا اور فلسطینی بھی نظریاتی طور پر تقسیم ہوگئے۔

اور فلسطینی سبھی کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے تا آنکہ مصر کے انور سادات نے ۱۷ر ستمبر ۱۹۷۸ء کو کیمپ ڈیوڈ میں اسرائیل کے وزیر اعظم مینیخم بیگن کے ساتھ امریکی صدر جمی کارٹر کی وساطت سے امن معاہدہ کرلیا۔ عرب اسرائیل تعلقات میں یہ بڑا موڑ تھا۔ بعدازاں اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین پہلا اوسلو معاہدہ ۱۹۹۳ء میں ہوا جس پر پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات اور اسرائیل کے وزیر اعظم اسحاق رابن نے صدر کلنٹن کی موجودگی میں دستخط کیے۔ بعدازاں مصر میں دوسرا اوسلو معاہدہ ۱۹۹۵ء ہوا۔ ان معاہدوں کی رو سے پی ایل او نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا اور اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کو قبول کرلیا۔ اگلے پانچ برس میں دو ریاستوں کے فارمولے پہ سرحدوں کا تعین مشرقی یروشلم، عرب علاقوں میں یہودی بستیوں، باہمی تعلقات کی نوعیت، فلسطینیوں کی واپسی سمیت تمام امور طے کیے جانے تھے۔ حالانکہ جیسا کہ ناروے کی اپنی تحقیقات سے سامنے آیا ہے کہ اوسلو معاہدہ اسرائیل کی شرائط پہ کیا گیا تھا، پھر بھی اس پر پیش رفت نہ ہوسکی۔ نتیجتاً فلسطینیوں کی فقید المثال انتفاضہ کی تحریکیں چلیں جو ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۳ء اور دوسری بار ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۵ء تک جاری رہیں۔ اس دوران ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۴ء اور گزشتہ عشرہ میں غزہ کی پٹی پہ اسرائیلی حملوں میں ہزاروں فلسطینی شہید ہوئے اور دسیوں ہزار گھر تباہ ہوئے۔ یاسر عرفات کی وفات کے بعد فلسطینی اتھارٹی فلسطینیوں کو متحد نہ رکھ سکی اور جمہوری عمل رک گیا۔ ۲۰۰۶ء کے بعد صدر کا انتخاب ہوا نہ کونسل کا۔ سوویت یونین کے انہدام اور ۲۰۰۱ء میں ۹/۱۱ کی دہشت گردی کے بعد عرب دنیا میں مذہبی شدت پسندی میں اضافہ ہوا اور فلسطینی بھی نظریاتی طور پر تقسیم ہوگئے۔ اسرائیل میں دائیں بازو کی کٹر مذہبی انتہا پسندی پھیلی تو غزہ بھی حماس کے زیر اثر آگیا۔ نہ صرف یہ کہ فلسطینی تقسیم کردیئے گئے بلکہ خود اسرائیل بھی بری طرح سے تقسیم ہوگیا۔ دو سال میں اسرائیل میں چار انتخابات ہوچکے ہیں لیکن ایک مستحکم حکومت بن نہیں پا رہی۔ جو بنتی بھی ہے وہ انتہا پسند اقلیت کی یرغمال ہوکے رہ جاتی ہے۔ حالیہ بحران اور دس روزہ جنگ بھی عبوری وزیر اعظم نیتن یاہو کی مشرقی یروشلم اور القدس میں پولیس گردی اور شیخ جرحہ میں یہودیوں کی آبادکاری کے خلاف فلسطینیوں کی مزاحمت سے شروع ہوئی۔ نیتن یاہو نے متبادل قومی حکومت کو روکنے کے لیے جارحیت کی راہ لی۔ دوسری جانب حماس جو بدترین معاشی بحران کی لپیٹ میں تھی کو فکر ہوئی کہ کہیں مشرقی یروشلم سے شروع ہونے والی نوجوانوں کی لہر اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے اسرائیل پر راکٹوں کی بارش سے غزہ پر اسرائیلی ہوائی حملوں کی دعوت دی۔ یوں ساری توجہ اسرائیل کے اندر فلسطینیوں کی جمہوری جدوجہد سے ہٹ گئی۔ نیتن یاہو کا یہ تصور کہ ''زمین بھی رکھو اور امن بھی رہے'' بری طرح سے پٹ گیا۔ اب جنگ بندی ہوگئی ہے۔ کیا پھر سے اوسلو-۳ کی تیاری کی جارہی ہے؟ یادش بخیر عظیم فلسطینی دانشور ایڈورڈ سعید نے پہلے اوسلو معاہدے کے بارے میں کہا تھا کہ یہ فلسطینیوں کا ورسائلز ہے یعنی جس طرح جرمنوں کو اتحادیوں کی شرائط ماننی پڑی تھیں، فلسطینیوں کو بھی اسرائیل کی شرائط ماننے پہ مجبور کردیا گیا۔ اب بات ہو بھی تو کس سے؟ فلسطینیوں کا کوئی بڑا نمائندہ ہے نہ اسرائیل کا۔ اسرائیل کے کثرتی جمہوری ریاست بنے بغیر اور فلسطینی اتھارٹی کے شراکتی متحدہ جمہوری قوت بنے بغیر اسرائیلی فلسطینی تاریخی مناقشے کا کوئی پائیدار حل نہیں۔ □□

امریکی انخلا کے بعد ترکی افغان ایئرپورٹ پر سیکیورٹی فراہم کرے گا

خدشات پائے جارہے ہیں کہ امریکی انخلا کے بعد ایئرپورٹ طالبان کے ہاتھوں لگ سکتا ہے اس لئے نیٹو اس کا حل تلاش کرنے کے لیے سرگرداں ہے

افغانستان میں طالبان کے بڑھتے دبدبے اور قبضے کے درمیان کابل ایئرپورٹ کو چالو رکھنے کے پیش نظر ترک صدر رجب طیب ایردوان نے کہا ہے کہ واشنگٹن کے افغانستان سے انخلا کے بعد ترک فوج کے کنٹرول کے تحت ترکی اور امریکہ نے کابل ایئرپورٹ کو محفوظ بنانے کے دائرہ کار پر اتفاق کرلیا ہے۔ ڈان میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق آئندہ ماہ جب فوجی نکل جائیں گے تو ترکی نے ایئرپورٹ کے لیے سیکیورٹی فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے جسے انقرہ اور واشنگٹن کے بہتر تعلقات کی مثال کے طور پر سراہا گیا۔ ترک صدر نے کہا کہ اس معاملے پر ترکی اور امریکی دفاعی وزرا نے تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اور نیٹو سے بات چیت کے دوران ہم نے مشن کے دائرہ کار کا فیصلہ کیا کہ ہم کیا چیز قبول اور کیا قبول نہیں کریں گے۔ خیال رہے کہ ترکی کے اس اقدام سے قبل امریکی صدر جو بائیڈن نے جون میں برسلز میں ہونے والے نیٹو اجلاس کے موقع پر رجب طیب اردوان سے بات چیت کی تھی۔ خدشات پائے جارہے ہیں کہ امریکی انخلا کے بعد ایئرپورٹ طالبان کے ہاتھوں لگ سکتا ہے اس لئے نیٹو اس کا حل تلاش کرنے کے لیے سرگرداں ہے۔ واضح رہے کہ ترکی کا سال ۲۰۰۱ء سے افغانستان میں ایک اہم کردار رہا جس نے سیکڑوں ترک فوجی وہاں تعینات کیے۔ ایک روز قبل امریکی صدر جو بائیڈن نے اعلان کیا تھا کہ افغانستان سے واشنگٹن کا انخلا ۳۱ر اگست تک مکمل ہوجائے گا۔ واشنگٹن نے رہنماؤں کی بات چیت کے بعد حامد کرزئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی حفاظت میں نمایاں کردار ادا کرنے کے ترکی کے عزم کو سراہا تھا۔ بعدازاں گزشتہ ماہ ایک امریکی وفد کے دورہ ترکی کے ساتھ دونوں نیٹو اتحادیوں کے درمیان ترکی کے مستقبل کے مشن کی تفصیلات طے کرنے کے حوالے سے بات چیت جاری رہی جبکہ ترک وزیر دفاع اور پنٹاگن کے سربراہ کے مابین بھی متعدد فون کالز پر بات چیت ہوئی۔ واضح رہے کہ کابل ایئرپورٹ مغربی سفارتکاروں اور امدادی کارکنان کے باہر جانے کا مرکزی راستہ ہے۔

دریچۂ پاکستان

عطاء الحق قاسمی

مرد اپنے قُلوں تک بوڑھا نہیں ہوتا

پاکستان بھر کی دیواروں پر ''ہیلتھ سنٹروں'' کی طرف سے تحریر کردہ عبارت ''مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا'' پڑھتے پڑھتے میں بوڑھا ہوگیا ہوں مگر اس کی معنویت آج تک سمجھ نہیں آئی۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا تو اخباروں کو بوڑھوں کی رنگ رلیاں منانے کی خبریں کہاں سے ملتی ہیں؟ چلیں چھوڑیں مجھے اصل غصہ کسی اور بات پر ہے۔ بعض خواتین و حضرات کے جھرمٹ میں گپ شپ کے دوران اچانک کسی کونے سے کوئی بزرگ برآمد ہوتے ہیں، سفید داڑھی، سفید مونچھیں، سفید بھنوئیں، ہاتھوں میں رعشہ اور کمر میں خم، وہ نہایت احترام اور عقیدت سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور رعشہ زدہ آواز میں کہتے ہیں ''سر میں ایم اے او کالج میں آپ کا شاگرد رہا ہوں۔'' اس پر شدید گھبراہٹ کے عالم میں، میں ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک کونے میں لے جاتا ہوں اور کہتا ہوں، بزرگو! یہ اطلاع دینے کے لئے آپ کو یہی جگہ نظر آئی تھی؟ مگر اس نوع کے بزرگوں کو اس نوع کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ ملکہ ترنم نور جہاں کو بھی اس صورتحال کا سامنا اکثر کرنا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ ایک کمر خمیدہ نوے سالہ بزرگ نے ایک محفل میں ان سے کہا ''میڈم! میں بچپن سے آپ کے گانے سنتا چلا آرہا ہوں اور اس کے لئے رات رات بھر جاگتا تھا۔'' اس پر میڈم کی رگِ ظرافت پھڑکی، انہوں نے بابے کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ''شاباش، مگر اچھے بچے رات کو جلدی سو جایا کرتے ہیں۔ آئندہ میرا پروگرام دیکھنے کے لیے دیر تک نہ جاگنا۔'' پھر ہنستے ہوئے کہا ''بابا جی، آپ کی بات پر یقین کروں تو میری زندگی کے بس دو چار مہینے ہی باقی ہیں۔''

میں دیواروں پر ''مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا'' کے اشتہارات پڑھتے پڑھتے تنگ آگیا تو میں نے ایک دن سید ضمیر جعفری مرحوم ومغفور سے پوچھا ''سید بادشاہ! آپ بتائیں کیا مرد واقعی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو کس عمر میں ہوتا ہے؟'' اس پر ان کی پیشانی پر سوچ کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر کچھ توقف کے بعد انہوں نے کہا ''عام مردوں کا تو مجھے کچھ علم نہیں لیکن مسلمان مرد کم ازکم اپنے قلوں تک بوڑھا نہیں ہوتا۔'' یہ سید ضمیر جعفری کی رائے تھی جس سے اتفاق ضروری نہیں کیونکہ میں نے ایسے کئی بزرگ دیکھے ہیں جن کا بظاہر چہلم بھی ہو چکا ہوتا ہے مگر وہ بانو بازار میں کندھے سے کندھا ملا کر چل رہے ہوتے ہیں۔ ایک کا ندھا ان کا اپنا ہوتا ہے دوسرا وہ خود منتخب کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست کی منگنی پشاور کی ایک معزز فیملی میں ہوئی، موصوف اس وقت بڑھاپے کی سرحدوں میں قدم رکھ چکے تھے مگر انہوں نے اپنی عمر چھپائی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے ہونے والے سسر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ''خان صاحب! میں آپ کے ہونے والے داماد کا بچپن کا دوست ہوں۔'' اس پر خان صاحب نے پہلے عجیب و غریب نظروں سے اس بچپن کے دوست اور پھر اپنے ہونے والے داماد کو دیکھا اور اس کے بعد وہیں کھڑے کھڑے منگنی توڑنے کا اعلان کردیا جس کی وجہ میرے اس کمسن دوست کو آج تک سمجھ نہیں آئی۔ خود خان صاحب بھی اس کی وجہ کسی کو نہیں بتاتے۔

یہ خوش فہمی صرف مرد حضرات کو نہیں بہت سی خواتین کو بھی لاحق ہوتی ہے کہ وہ کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔ میں ایک ایسی ساٹھ سالہ خاتون کو جانتا ہوں جو روزانہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت نئی نسل کے خلاف واویلا کررہی ہوتی ہیں کہ نئی نسل کی آنکھوں میں حیا نہیں رہی۔ میں رکشے پر گھر آرہی تھی، رنگ محل سے ایک نوجوان نے موٹر سائیکل پر میرا پیچھا شروع کیا، میں نے اسے بہت لعنت ملامت کی کہ میں تیری ماں کی عمر کی ہوں مگر وہ بدبخت بے شرمی سے ہنستا اور سیٹیاں بجاتا ہوا یہاں گھر تک آیا ہے۔ لعنت ہے اس نئی نسل پر! اس واویلے میں بھی سننے والوں کے لئے یہ پیغام ہوتا ہے کہ ''ابھی تو میں جوان ہوں'' لیکن جو پیغام دیواروں پر درج ہوتا ہے یا جو پٹھان بھائی مجمع لگا کر بزرگوں کو جوانی کی نوید سنا رہے ہوتے ہیں، اس کی نوعیت غالباً مختلف قسم کی ہے۔ چنانچہ اپنی یہ الجھن دور کرنے اور اس پیغام کی ماہیت جاننے کے لئے میں نے ایک ہیلتھ سینٹر والے سے پوچھا ''جناب! یہ جو آپ کہتے ہیں کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا تو اس کا اصل مطلب کیا ہوتا ہے؟'' بولا ''کیا آپ نہیں جانتے؟'' میں نے کہا ''اگر میں جانتا ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر کیوں ہوتا'' اس نے پوچھا ''آپ خود کو بوڑھا سمجھتے ہیں؟'' میرا جواب تھا ''نہیں۔'' وہ بولا ''کیوں؟'' میں نے کہا ''اس لئے کہ میں بوڑھا نہیں ہوں، میں گنا چوس سکتا ہوں، وزن اٹھا سکتا ہوں، دوڑ لگا سکتا ہوں۔'' اس پر ہیلتھ سینٹر والے نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور بولا ''جب انسان گنا چوس سکتا ہو، وزن اٹھا سکتا ہو، دوڑ لگا سکتا ہو، اسے ہم واقعی بوڑھا نہیں کہہ سکتے لیکن اسے اپنی یہ جوانی برقرار رکھنے کے لیے ہمارا کورس کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں وہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ آپ مجھے دیکھیں میں اس وقت ستر سال کا ہوں اور خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کررہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ....'' ان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ساتھ والے کمرے سے جوان کے گھر کا حصہ تھا ایک خاتون کی آواز آئی ''بہن اس بڈھے سے شادی کرکے میرے تو نصیب پھوٹ گئے ہیں، یہ اپنی آدھی کمائی دیواروں پر یہ اشتہار لکھوانے پر خرچ کردیتا ہے کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا، اس جھوٹے شخص نے میری زندگی برباد کردی ہے۔''

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

کووڈ ۱۹: ہماری مجرمانہ غفلت نے ہمیں کہاں پہنچا دیا ہے؟

آج ہر طرف کورونا وائرس کی متوقع تیسری لہر کے بارے میں بحث جاری ہے جس کے ہندستان میں وارد ہونے کا خطرہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ کورونا وائرس کی یہ تیسری لہر چار سے چھ ہفتوں کے دوران ہندستان پر حملہ آور ہوسکتی ہے جبکہ سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ اس کی آمد اکتوبر نومبر تک متوقع ہے۔ امید کی جارہی ہے کہ حکومت دوسری لہر کے مقابلہ میں اس تیسری لہر سے کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہوسکتی ہے تاہم یہ بھی بہت حد تک ممکن ہے کہ یہ وبا آئندہ ایک سال تک کسی نہ کسی شکل میں سامنے آتی رہے گی اور حالانکہ حکومتی سطح پر اس کی روک تھام کے لیے کوششیں جاری ہیں مگر اس کے اثرات سے بہر حال انکار ممکن نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ ہر شخص کے لیے ایک چیلنج ہے اس لیے ضروری ہے کہ ویکسین کا ٹیکا لگانے کے کام میں تیزی لائی جائے اور کووڈ-۱۹ کے تعلق سے جو احتیاطی تدابیر عالمی صحت تنظیم کی طرف سے مشتہر کی جارہی ہیں ان پر پوری طرح عمل کیا جائے ورنہ یہ تیسری لہر پہلی دونوں لہروں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کورونا وبا کا ہم کیسے مقابلہ کریں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو تقدیر کے حوالہ کرکے خاموش ہوکر بیٹھ رہیں اور دوسری شکل یہ ہے کہ تقدیر پر یقین رکھتے ہوئے اپنی حفاظت کے ظاہری اسباب بھی اختیار کریں۔ ویکسین لگوائیں، ماسک لگائیں اور دو گز کی دوری پر رہیں۔ یہ ظاہری اسباب ہیں جنھیں اختیار کرنا نہ تو تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے اور نہ شریعت و مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ بیماری سے حفاظت کے لیے قرآن و سنت میں تعلیم موجود ہے۔

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسے ہلاکت خیز دور میں بھی جبکہ کورونا وبا صرف اپنے وطن عزیز میں ہی چار لاکھ سے زائد لوگوں کو اپنا نوالہ بنا چکی ہے، ہمارے حکمراں ملک کے عوام کو توہمات پر مبنی نسخوں کی تعلیم دینے میں مصروف ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کررہے ہیں کہ ان نسخوں کے ذریعے انسانوں کی قوتِ مدافعت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اپنی قوتِ مدافعت کے ذریعہ وبا کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اسی تعلق سے گزشتہ مہینہ آیوش کی وزارت نے یہ ہدایت دیتے ہوئے کہ حالیہ کووڈ-۱۹ کی وبا کے وقت مدافعتی صلاحیت کیسے بڑھائی جائے مشوروں کی جو فہرست جاری کی تھی اس میں صبح و شام ناک میں تل یا ناریل کا تیل یا گھی ڈالنے کا مشورہ بھی شامل تھا۔ اگر کسی کو ناک میں تل یا ناریل کا تیل ڈالنا پسند نہیں ہے تو وزارت نے متبادل کے طور پر بتایا تھا کہ تل یا ناریل کا ایک چمچہ تیل منہ میں ڈالیں۔ اسے نگلیں نہیں بلکہ دو تین منٹ تک منہ میں ڈال کر ہلائیں اور تھوک دیں اور پھر گرم پانی سے کلی کرلیں۔ خود کو کووڈ سے بچانے کے لیے وزارت کے ذریعہ بتائے گئے دیگر طریقوں میں چیون پراش کھانا، ہربل چائے پینا، بھاپ لینا وغیرہ بھی شامل ہیں۔

حالانکہ آیوش وزارت کی تشہیری مہم میں صرف یہ لکھنا باقی رہ گیا ہے کہ اس کے مشوروں پر عمل کرنے والے کسی بھی دیش بھکت کو کورونا نہیں ہوگا، لیکن اس کا مقصد ظاہر تھا، اگر آپ ان روایتی طریقوں کو اپناتے ہیں تو اس سے وائرس سے متاثر ہونے کی امید کم ہوجائے گی۔ برسر اقتدار پارٹی کے لیڈر اور ترجمان بھی ۲۱ویں صدی کی اس سب سے خطرناک بیماری سے مقابلہ کے لیے غیر رسمی علاج کی سفارش کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے ہیں۔ بی جے پی کے ایک سینئر لیڈر اور سابق ممبر آف پارلیمنٹ سنکیشور جی نے آکسیجن کے متبادل کے طور پر لیموں کا رس سونگھنے کا مشورہ دے ڈالا۔ اخبار 'ہندو' کی رپورٹ کے مطابق سنکیشور نے حال ہی میں ایک پریس ملاقات میں کہا ہے کہ لیموں کا رس ناک میں ڈالنے سے آکسیجن کا لیول ۸۰ فیصد تک بڑھ جاتا ہے۔ انھوں نے خود دیکھا ہے کہ اس گھریلو علاج سے ۲۰۰ لوگ صحت یاب ہوگئے ہیں جن میں ان کے رشتہ دار اور دوست بھی شامل ہیں۔ روزنامہ 'ہندو' کی اسی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے بعد ان کے کئی مداحوں کی موت بھی ہوگئی ہے۔

اس دوران بی جے پی کی زیر اقتدار ایک دوسری ریاست مدھیہ پردیش کی وزیر ثقافت اوشا ٹھاکر نے کہا کہ ہون سے وائرس کو مؤثر طریقہ سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ اخبار 'ٹیلی گراف' نے مسز ٹھاکر کی یہ اپیل بھی نوٹ کی کہ "ہم سبھی سے یگیہ کرنے اور آہوتی دینے اور آب و ہوا کو پاک کرنے کی اپیل کرتے ہیں کیونکہ وبا کو ختم کرنے کی یہ صدیوں پرانی روایت ہے۔"

ایسا لگتا ہے کہ وزیر موصوف کے خاندان کے لوگوں نے ان کے مشورہ کو سنجیدگی سے لیا اس لیے بڑے پیمانہ پر وائرل ایک ویڈیو میں دیکھا گیا کہ کالی ٹوپی اور خاکی شرٹ زیب تن کیے بہت سے لوگ ہر گھر میں نیم کی پتیاں اور لکڑی جلاکر ہون کررہے تھے۔ اسی طرح کا ایک اور بے تکا دعویٰ مہاتما گاندھی کے قاتل کو محبّ وطن قرار دینے والی بھوپال کی متنازعہ ممبر پارلیمنٹ پرگیہ ٹھاکر نے کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ کووڈ سے اس لیے محفوظ ہیں کیونکہ وہ روزانہ گائے کا پیشاب پیتی ہیں اور بی جے پی کی سب سے طویل عرصہ سے زیر اقتدار ریاست گجرات سے خبر آئی کہ وہاں سادھوؤں کا ایک گروہ پابندی سے گائے کے گوبر کا لیپ لگاتا ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اس سے وہ وائرس سے بچے رہیں گے۔ بی جے پی لیڈروں کے ذریعہ بتائے گئے علاج میں ایک دوا کورونل بھی شامل ہے جسے ابھی چند ماہ پہلے سرکاری سنت رام دیو نے دو سینئر وزیروں کی موجودگی میں جاری کیا تھا جن میں سے ایک وزیر اس وقت صحت اور سائنس و ٹیکنالوجی کے وزیر بھی تھے۔ یہ صحیح ہے کہ مغربی طریقۂ علاج ایلوپیتھی میں انسان کی سبھی معلوم بیماریوں کا علاج نہیں ہے۔ روزمرہ کا یہ بھی تجربہ ہے کہ آیوروید، یوگ اور ہومیوپیتھی جیسے قدیم طریقۂ علاج استھما، پیٹھ درد اور موسمی الرجی جیسی بیماریوں کو کم کرنے میں اچھا رول ادا کرسکتے ہیں، مگر کووڈ-۱۹ صاف طور پر ۲۰۲۱ء کا بالکل نیا وائرس ہے اور اس سے وہ لوگ قطعی ناواقف تھے جنھوں نے آیوروید، یوگ، یونانی اور ہومیوپیتھی جیسے طریقۂ علاج کو ترقی دی تھی۔ یہ صرف ایک سال پہلے کی بیماری ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ نیم کی پتیاں جلانے، گائے کا پیشاب پینے، پودوں سے تیار گولیاں نگلنے یا جسم پر گوبر کا لیپ کرنے سے اس بیماری کو دور کرنے میں کتنی مدد ملتی ہے اور کووڈ-۱۹ کے وائرس کا علاج کرنے میں یہ کتنے کارگر ہوسکتے ہیں۔

دوسری طرف اس بات کے لیے کافی ثبوت موجود ہیں کہ احتیاطی تدابیر کووڈ-۱۹ سے بچاؤ کے لیے بیحد مددگار ثابت ہورہی ہیں جن میں سوشل ڈسٹنسنگ اور ٹیکا کاری شامل ہیں جبکہ کورونا کے خاتمہ کا پیشگی اعلان کرنے والی ہماری بھگوا حکومت انتخابی سرگرمیوں اور مہا کنبھ کی نہ صرف منظوری دے کر بلکہ حوصلہ افزائی کرکے بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ اس نے نہ تو ویکسین کی گھریلو پیداوار بڑھانے میں دلچسپی دِکھائی اور نہ ہی ملک میں استعمال کے لیے نئی ویکسین کے لائسنس دینے میں کسی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

نہ ہم سائنسداں ہیں، نہ ان سے ہمارا کوئی رابطہ ہے مگر ایک عام آدمی کی حیثیت سے ہم یہ سوچ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ ملک کے معروف سائنسداں ان بھگوا لیڈروں کے ذریعہ کووڈ-۱۹ کا مقابلہ کرنے کے لیے نیم حکیموں کو بڑھاوا دینے کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے؟ ایسے لوگوں کے کچھ مرکزی وزراء یا حکومتی سطح کے کچھ لیڈر ہی حوصلہ افزائی نہیں کررہے ہیں بلکہ سنگھ پریوار کے بڑے رہنما، جن میں خود وزیر اعظم بھی شامل ہیں، وہ بھی شریک ہیں۔ ذرا یاد کیجیے گزشتہ سال مارچ کے اخیر میں جب وبا نے پہلی بار اپنا اثر دِکھانا شروع کیا تھا، ہمارے وزیر اعظم نے ہمیں ٹھیک پانچ بجکر پانچ منٹ پر تھالی بجانے کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے ہم سے رات کو ٹھیک نو بجے نو منٹ تک موم بتی سے روشنی کرنے کے لیے بھی کہا تھا۔ جس وقت پورے امریکہ اور یورپ میں وائرس پھیل رہا تھا تب اسے دور کرنے کے لیے ہم جیوتش کا سہارا لے رہے تھے۔

دراصل سنگھ پریوار کے لیے دلائل اور سائنس کی جگہ اعتقاد اور انتہا پسندی نے لے لی ہے۔ مسٹر مودی نے ۲۰۱۴ء میں پہلی بار وزیر اعظم کے عہدہ پر دعویٰ کرتے ہوئے اپنی مہم میں رام دیو کے اندر کی گرم جوشی اور ان کے تخیل کو لے کر ان کی پرزور تعریف کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ میں خود کو ان کے ایجنڈے کے قریب پاتا ہوں لہٰذا ملک کے سب سے پسندیدہ سنت کے روپ میں رام دیو کا عروج کوئی اتفاق نہیں ہے۔

اب جب وائرس میں شمالی ہند کے دیہاتی علاقوں میں اندر تک پھیل گیا ہے اور ہمارے ڈاکٹرس اور سائنسداں ایک تیسری مزید خطرناک لہر کی پیشین گوئی کررہے ہیں، کوئی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ کمبھ میلے کو ملنے والی مرکزی اور بی جے پی کی صوبائی حکومتوں کی بھرپور حمایت اور گنگا میں تیرتی ہوئی یا ریت میں دبا دی گئیں لاشوں کے درمیان کیسا رشتہ ہوسکتا ہے۔ تقریباً دو سال پہلے اپریل ۲۰۱۹ء میں مودی حکومت کے سائنس کے تعلق سے غیر ذمہ دارانہ رویہ کے بارے میں کسی سائنس داں نے مستقبل کی جو تکلیف دہ تصویر کھینچی تھی آج وہ مزید تکلیف دہ بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وبا سے لڑتے ہوئے ہندستان اور ہندستانیوں کو مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جسے مرکزی حکومت اور حکمراں پارٹی کے ذریعہ دلائل اور سائنس کے تعلق سے لاپرواہی کے مظاہرے نے مزید مشکل بنا دیا ہے اس لیے کہ حکومتی سطح پر جو ہونا چاہیے تھا اور جب ہونا چاہیے تھا وہ اس سے اپنی توہم پرستی کی وجہ سے غافل رہی ہے اور آج جب پانی سر سے گزر چکا ہے، جتنا کچھ کرنے کی ضرورت ہے شاید ہمارے حکمراں اس کے ادراک سے بھی محروم ہیں۔ □□

جرائم پر قابو پانے کیلئے نظامِ عدل میں اصلاح کی ضرورت

انصاف وہی جو جلد ہو اور جو نظر بھی آئے

صفحہ اوّل کا بقیہ

یہی وجہ ہے کہ آج ہندستان کا جیل نظام قیدیوں کی بھیڑ کو محدود کرنے، جیل ملازمین کی کمی کو دور کرنے اور اس کے لیے مزید ذرائع حاصل کرنے جیسے مسائل سے نبرد آزما ہے۔ ملک میں قیدیوں کی تعداد جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے تناسب سے جیلوں کی تعداد بڑھنے کے بجائے گھٹتی جارہی ہے۔ قومی جرائم ریکارڈ بیورو کی ۲۰۱۸ء کی رپورٹ کے مطابق ہندستانی جیلوں کی تعداد ۲۰۱۶ء میں ملک میں جہاں ایک ہزار چار سو

موجودہ وقت میں کل قیدیوں میں سے ۶۹ فیصد قیدی زیر سماعت زمرے کے ہیں۔ ملک کی جیلوں میں بھیڑ بڑھنے کی یہ ایک بڑی وجہ ہے حالانکہ جیلوں میں تعداد کے اضافہ کی دیگر وجوہات بھی ہیں جن میں حسب ضرورت جیلوں کا نہ ہونا، جیلوں کی اونچی رہائشی شرح، عدالتوں میں زیر التوا معاملوں کے انبار، ججوں کی کمی، نظام انصاف کی سست روی اور بڑھتے جرائم شامل ہیں، مگر قیدیوں کے حقوق کا تحفظ، صحت کی حفاظت اور اب وبا سے بچانے کے لیے بھی جیلوں میں بھیڑ کو کنٹرول کرنے کی بہرحال ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

بارہ تھی، وہیں ۲۰۱۹ء میں یہ گھٹ کر ایک ہزار تین سو پچاس رہ گئی تھی۔ پھر ہندستان جیسے وسیع آبادی والے ملک میں مناسب تعداد میں قید خانے نہ ہونے کے باعث جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدی رکھے جاتے ہیں، تو اسے مجبوری کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ ۲۰۱۹ء میں ہندستانی جیلوں میں چار لاکھ اٹھارہ ہزار قیدی تھے جو جیلوں کی حقیقی گنجائش سے ساڑھے اٹھارہ فیصد زیادہ ہے۔ دوسری دقت یہ بھی ہے کہ جیلوں میں سزا یافتہ قیدیوں کے مقابلے زیر سماعت قیدیوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ موجودہ وقت میں کل قیدیوں میں سے ۶۹ فیصد قیدی زیر سماعت زمرے کے ہیں۔ ملک کی جیلوں میں بھیڑ بڑھنے کی یہ ایک بڑی وجہ ہے حالانکہ جیلوں میں تعداد کے اضافہ کی دیگر وجوہات بھی ہیں جن میں حسب ضرورت جیلوں کا نہ ہونا، جیلوں کی اونچی رہائشی شرح، عدالتوں میں زیر التوا معاملوں کے انبار، ججوں کی کمی، نظام انصاف کی سست روی اور بڑھتے جرائم شامل ہیں، مگر قیدیوں کے حقوق کا تحفظ، صحت کی حفاظت اور اب وبا سے بچانے کے لیے بھی جیلوں میں بھیڑ کو کنٹرول کرنے کی بہرحال ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہندستان دنیا کے ان ایک سو اٹھارہ ممالک میں شامل ہے جہاں حسب ضرورت جیلوں کے نہ ہونے کے سبب جیلوں میں قیدیوں کے رہنے کی شرح کافی زیادہ ہے۔ سال ۲۰۱۹ء میں ہندستانی قیدخانوں میں قیدیوں کی شرح ایک سو اٹھارہ فیصد تھی اور اس معاملہ میں ہم جاپان (۵۷ فیصد)، نیدرلینڈ (۷۴ فیصد)، جرمنی (۷۹ فیصد) اور روس (۸۰) فیصد جیسے ممالک سے کافی پیچھے ہیں۔ اس وقت ملک کے انیس صوبوں اور دو مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں قیدیوں کی شرح سو فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ جیلوں میں یہ شرح پورے ملک میں سب سے زیادہ ایک سو چھتّر ہے۔ اسی طرح اتر پردیش میں قیدیوں کی شرح ایک سو اڑسٹھ فیصد ہے۔ اترا کھنڈ میں ۱۵۹ فیصد، میگھالیہ میں ۱۵۷ فیصد اور مدھیہ پردیش میں ۱۵۵ فیصد تک ہے۔

ہندوستانی قیدخانے صرف قیدیوں کی بھیڑ سے ہی نہیں عملہ کی کمی سے بھی متاثر ہیں۔ پورے ملک میں جیل عملہ کے منظور شدہ ۸۷۵۹۹ عہدوں میں سے ۲۶۸۱۲ منصب خالی پڑے ہیں۔ اسی طرح جیلوں میں قیدیوں کی صحت کی دیکھ بھال کے لیے مقرر

کسی بھی نظام حکومت کو بہتر طور پر چلانے میں عدلیہ کا رول اہم ہوتا ہے۔ ہندستان دنیا کی سب سے بڑی عوامی جمہوریت ہے۔ غیر جانب دارانہ انصاف مہیا کرانے کے لیے یہاں ایک ممتاز نظام عدل ہے۔ دفعہ ۱۴ کے تحت قانون کی نظر میں سب کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ عدلیہ جمہوریت کا ایک مضبوط ستون ہے۔ سست نظامِ عدل سے جمہوری اصولوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے ملک میں ایسے آسان، کم خرچ اور سستے نیز فوری نظام انصاف کی ضرورت ہے جس سے ہندستانی جمہوریت اور نظام عدل پر شہریوں کا اعتماد قائم ہوسکے اس لیے کہ انصاف وہی ہے جو جلد ہو اور نظر بھی آئے۔

ہونے والے صحت عملہ کی تعداد بھی تقریباً دو ہزار ہی ہے۔ یعنی ایک ڈاکٹر پر تقریباً ڈھائی سو قیدیوں کی صحت کی نگرانی کی ذمہ داری ہے۔ اس معاملہ میں سب سے خراب صورتِ حال مغربی بنگال کی ہے جہاں ایک ڈاکٹر کو اوسطاً ۹۲۳ قیدیوں کی صحت کا حال چال دیکھنا پڑتا ہے۔ ناکافی نظام صحت کے باعث بڑی تعداد میں قیدی جسمانی اور ذہنی طور پر بیمار پڑتے رہتے ہیں۔ تشویشناک مرض اور بہتر نظام صحت کی عدم دستیابی کی صورت میں وہ اکثر موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ۲۰۱۹ء میں مختلف بیماریوں سے پورے ملک کی جیلوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار قیدیوں کی موت ہوئی جن میں چار سو چھ قیدی دل کی بیماری کے سبب، ۱۹۰ پھیپھڑے کی بیماری سے، ۶۱ قیدی گردے کی بیماری سے، ۴۳ قیدی ایڈس سے، ۸۱ قیدی ٹی بی سے، ۱۸ قیدی کینسر سے اور ۵۶ قیدی دماغی تکلیف سے موت کا شکار ہوئے۔

ہندستانی نظامِ عدل خود ہی ججوں کی کمی اور زیر التوا معاملات کے دوہرے چیلنج سے نبرد آزما ہے، جب تک حسب ضرورت کافی تعداد میں ججوں کی تقرری نہیں کی جائے گی اس وقت تک جلدی انصاف کی امید بھی پوری نہیں ہوگی۔ جب وقت پر انصاف نہیں ہوگا تو ظاہر ہے جیلیں زیر سماعت قیدیوں سے بھری رہیں گی۔ ججوں کی کمی کا دباؤ جھیل رہی ہماری عدالتوں میں زیر التوا معاملات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ قیدیوں کی جسمانی اور دماغی صحت پر کس حد تک خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جیلوں میں قیدیوں کی بھیڑ کا بڑھنا کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے لیکن گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران جیلوں میں کورونا وائرس کے خطرہ کے باعث قیدیوں کی بھیڑ کم کرنے کا کافی دباؤ ہے۔ گزشتہ دنوں سپریم کورٹ نے جیلوں میں قیدیوں کی بھیڑ کم کرنے کے لیے حکومت کو فرمان جاری کرتے ہوئے کہا تھا کہ جن قیدیوں کو پچھلے سال وبا کے مدنظر پیرول دی گئی تھی انھیں پھر سے یہ سہولت دی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ پچھلے سال سپریم کورٹ کے حکم کے مطابق کل ۶۸ ہزار قیدیوں کو پیرول پر رہا کیا گیا تھا، مگر یہ جیلوں میں دباؤ کو کم کرنے کا ایک ایمرجنسی حل ہے لیکن پھر بھی ہر ممکن طریقہ سے حکومت کو جیل اصلاحات کی طرف قدم بڑھانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ قیدیوں کی تعداد کو محدود کرنے کا مقصد پورا ہوسکے۔ اس معاملے میں ہم نیدرلینڈ سے سبق لے سکتے ہیں جس کے نظام عدل کی پوری دنیا میں تعریف ہوتی ہے۔ فی ایک لاکھ کی آبادی پر وہاں قیدیوں کی تعداد محض ۶۱ ہے۔ مجرمین کے تعلق سے برتاؤ کا طریقہ بدلنے، ان کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کرنے اور قیدیوں کو معاشرہ کے لیے کارآمد بنانے پر زور دینے کے باعث وہاں جرائم کی شرح میں اتنی کمی آگئی ہے کہ وہاں جیلوں کو بند کرکے انھیں مسافر خانے اور ہوٹل وغیرہ میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ ۲۰۱۴ء کے بعد وہاں ۲۳ جیلوں کو بند کیا جاچکا ہے۔

دراصل جیل اصلاحات کی بنیاد نظامِ انصاف کے بہتر طریقۂ کار سے مربوط ہے۔ ہندستانی نظامِ عدل خود ہی ججوں کی کمی اور زیر التوا معاملات کے دوہرے چیلنج سے نبرد آزما ہے۔ جب تک حسب ضرورت کافی تعداد میں ججوں کی تقرری نہیں کی جائے گی اس وقت تک جلدی انصاف کی امید بھی پوری نہیں ہوگی۔ جب وقت پر انصاف نہیں ہوگا تو ظاہر ہے جیلیں زیر سماعت قیدیوں سے بھری رہیں گی۔ ججوں کی کمی کا دباؤ جھیل رہی ہماری عدالتوں میں زیرالتوا معاملات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں۔ اعداد و شمار میں ابھی تینوں سطح کی عدالتوں میں قریباً ساڑھے چار کروڑ معاملے زیرالتوا ہیں۔ سپریم کورٹ میں ۶۸ ہزار معاملے زیر سماعت ہیں جبکہ ملک کے سبھی ۲۵ ہائی کورٹوں میں زیر سماعت معاملوں کی تعداد ۵۷ لاکھ کے اردگرد ہے۔ اسی طرح ضلع اور سیشن عدالتوں میں تین کروڑ ۸۱ لاکھ معاملے زیرغور ہیں۔ ایسی صورت میں عدالتی نظام سے وابستہ لوگوں کے چہرہ پر فکر کی لکیریں نمودار ہونا لازمی ہے۔ ۲۰۱۸ء میں نیتی آیوگ نے عدالتوں کے کام کی رفتار کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ حالیہ زیر سماعت معاملوں کو انجام تک پہنچانے کے لیے تقریباً سوا تین سو سال درکار ہوں گے۔

ہندوستانی قیدخانے صرف قیدیوں کی بھیڑ سے ہی نہیں عملہ کی کمی سے بھی متاثر ہیں۔ پورے ملک میں جیل عملہ کے منظور شدہ ۸۷۵۹۹ عہدوں میں سے ۲۶۸۱۲ منصب خالی پڑے ہیں۔ اسی طرح جیلوں میں قیدیوں کی صحت کی دیکھ بھال کے لیے مقرر ہونے والے صحت عملہ کی تعداد بھی تقریباً دو ہزار ہی ہے۔ یعنی ایک ڈاکٹر پر تقریباً ڈھائی سو قیدیوں کی صحت کی نگرانی کی ذمہ داری ہے۔ اس معاملہ میں سب سے خراب صورتِ حال مغربی بنگال کی ہے جہاں ایک ڈاکٹر کو اوسطاً ۹۲۳ قیدیوں کی صحت کا حال چال دیکھنا پڑتا ہے۔

یہ ایک تلخ سچائی ہے کہ عدالتوں میں طویل عرصہ سے ججوں کی بھاری کمی بنی ہوئی ہے۔ ملک کے سبھی پچیس ہائی کورٹوں میں چار سو سے زیادہ ججوں کے منصب خالی ہیں جبکہ ضلع اور سیشن کورٹوں میں پانچ ہزار سے زیادہ ججوں کی کمی ہے۔ عدالت عظمیٰ میں بھی چار ججوں کی سیٹیں خالی ہیں، پھر آبادی کے حساب سے دیکھا جائے تو ملک میں ججوں کی تعداد بھی ناکافی ہے۔ آج ملک میں فی دس لاکھ کی آبادی پر صرف انیس جج ہیں جبکہ امریکہ میں فی دس لاکھ کی آبادی پر ایک سو سات، کناڈا میں ۷۵، برطانیہ میں ۵۱، اور آسٹریلیا میں ۴۲ جج ہیں۔

کسی بھی نظام حکومت کو بہتر طور پر چلانے میں عدلیہ کا رول اہم ہوتا ہے۔ ہندستان دنیا کی سب سے بڑی عوامی جمہوریت ہے۔ غیر جانب دارانہ انصاف مہیا کرانے کے لیے یہاں ایک ممتاز نظام عدل ہے۔ دفعہ ۱۴ کے تحت قانون کی نظر میں سب کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ عدلیہ جمہوریت کا ایک مضبوط ستون ہے۔ سست نظامِ عدل سے جمہوری اصولوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے ملک میں ایسے آسان، کم خرچ اور سستے نیز فوری نظام انصاف کی ضرورت ہے جس سے ہندستانی جمہوریت اور نظام عدل پر شہریوں کا اعتماد قائم ہوسکے اس لیے کہ انصاف وہی ہے جو جلد ہو اور نظر بھی آئے۔ □□

میزان

حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی

کیا اسلام میں جبراً کسی غیر مسلم کو مسلمان بنایا جاسکتا ہے؟

آج کل سوشل میڈیا اور اخبارات میں بھی بڑے زور وشور سے زور زبردستی سے مسلمان بنائے جانے کی خبریں چل رہی ہیں، شور مچانے والے شور مچارہے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ اس زمانہ میں کیا ہندوستان میں کسی کے پاس یہ طاقت ہے کہ وہ ہندو کو زور زبردستی سے مسلمان بنائے اور کیا زبردستی مسلمان بنانے پر وہ مسلمان بھی بن جائے گا، مسلمان بننا بنیادی طور پر دل سے ایک ایشور وادتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول ماننے پر ہے، زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے یا نماز ادا کرلینے سے، اگر دل توحید و رسالت کو نہیں مانتا تو آدمی مسلمان نہیں ہوجاتا جبکہ یہ بات ظاہر ہے کہ زبردستی کلمۂ توحید زبان سے کہلوائے تو جاسکتے ہیں لیکن دل سے منوائے نہیں جاسکتے، سورۃ نمبر ۱۶ آیت نمبر ۱۰۶ میں قرآن شریف کے پیش کردہ اصول کے مطابق اگر زبردستی کسی مسلمان سے کلمات کفر زبان سے کہلوائے جائیں جبکہ اس کا دل اسلام پر مطمئن ہے تو وہ کافر نہیں ہو جاتا تو اسی طرح اگر کسی غیر مسلم سے کلمات اسلام زبردستی کہلوائے جائیں، جبکہ وہ دل سے اسلام کے اصول کو نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہو جائے گا لیکن اس زمانہ میں پڑھے لکھے لوگ بھی جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ نہ وہ دنیا کے حالات سے باخبر ہیں اور نہ وہ اسلام کے الف، ب سے واقف ہیں؛ بلکہ میں اگر کہوں کہ اسلام نے مسلمان کو یہ مزاج ہی نہیں دیا کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنایا کریں تو میں حق بجانب ہوں گا، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پچاسوں لاکھ ہندو جو سعودی عرب اور خلیجی ملکوں میں رہ رہے ہیں مسلمان بنالئے جاتے لیکن ہندوستان کی فرقہ پرست ذہنیت رکھنے والے لوگوں کو بھی مسلم ملکوں سے یہ شکایت نہیں ہے کہ وہاں روٹی روزی کمانے والے ہندوؤں کو بے سہارا ہونے کی وجہ سے زبردستی مسلمان بنایا جاتا ہے تو پھر سو مرتبہ یہ بات سوچنی چاہئے کہ جو کام مسلمان مسلم ملکوں میں بے سہارا غیر مسلم لوگوں کے ساتھ نہیں کرتے وہ ہندوستان میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کیسے کریں گے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے فرقہ پرست ذہنیت والے بے خبر اور انجان لوگوں کو مسلمان اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں وہ مزا آتا ہے جو کسی دوسری چیز میں نہیں آتا۔

میں مولانا جہانگیر صاحب کو تو نہیں جانتا لیکن عمر گوتم صاحب کو جانتا ہوں وہ انتہائی شریف آدمی ہیں، پڑھے لکھے آدمی ہیں، انھوں نے سمجھ بوجھ کر اور اسلامی تعلیمات کو پڑھ کر اسلام کو قبول کیا ہے ان سے ایک فیصد بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایسی بیکار وبے فائدہ کوئی حرکت کریں گے جس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے، ہاں کوئی ایسا شخص جو مسلمان ہو چکا ہے اگر ہندوستان کے قانون کے مطابق تبدیلی مذہب کے کاغذات بھرنے کے لئے آتا ہے تو چونکہ وہ خود اس مرحلہ سے گزرے ہوئے تھے وہ اس کی مدد کر دیا کرتے تھے اور اس وقت اس معاملہ میں کوئی سختی بھی نہیں تھی، اس جگہ مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی وہ بنیادی تعلیم جو کسی اسلامی ملک میں بسنے

میں اگر کہوں کہ اسلام نے مسلمان کو یہ مزاج ہی نہیں دیا کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنایا کریں تو میں حق بجانب ہوں گا، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پچاسوں لاکھ ہندو جو سعودی عرب اور خلیجی ملکوں میں رہ رہے ہیں مسلمان بنالئے جاتے لیکن ہندوستان کی فرقہ پرست ذہنیت رکھنے والے لوگوں کو بھی مسلم ملکوں سے یہ شکایت نہیں ہے۔

والے غیر مسلموں کے لئے ہے بتاتا چلوں تو شاید فرقہ پرستی کی آگ میں جلے ہوئے لوگوں کے لئے مفید ہو سکے اور ان کی بند آنکھیں کھل سکیں اور خود پڑھا لکھا مسلمان بھی اپنے دین کے بارے میں ان معلومات سے فائدہ اٹھا سکے۔

دنیا جانتی ہے کہ اسلام کی اصل تعلیم وہی ہے جس کو "قرآن" یا اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں، چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان غیر مسلموں کے بارے میں جو کسی اسلامی ملک میں رہتے ہیں فرمارے ہیں:

(۱) اگر کوئی دشمن اسلامی حکومت میں ان پر حملہ کرے گا تو ان غیر مسلموں کی طرف سے لڑا جائے گا۔ (۲) کسی اسلامی ملک میں غیر مسلموں کو ان کے مذہب سے ہٹایا نہیں جائے گا، اللہ کے رسول کی مبارک زبان سے نکلنے والے الفاظ "لا يُفْتَنُوا عَنْ دِينِهِمْ" ہیں۔ (۳) غیر مسلموں کی جان اسلامی ملک میں محفوظ رہے گی۔ (۴) غیر مسلموں کا مال بھی اسلامی حکومت میں محفوظ رہے گا۔ (۵) ان کے قافلے یعنی تجارت بھی محفوظ رہے گی۔ (۶) ان کی زمین بھی محفوظ رہیں گی۔ (۷) تمام وہ چیزیں جو پہلے سے ان کے قبضہ میں تھیں بحال رہیں گی۔ (۸) ان کے پادری 'رہبان' پجاری 'مہنت' اپنے عہدوں سے بر طرف نہیں کئے جائیں گے۔ (۹) ان کی پیداوار میں سے دسواں حصہ نہیں لیا جائے گا۔ (۱۰) ان پر فوج کشی نہ کی جائے گی۔ (۱۱) ان کا کوئی حق جو ان کو پہلے سے حاصل تھا چھینا نہیں جائے گا۔ (۱۲) جو لوگ اس وقت نہیں ہیں یہ سب احکام ان کو بھی شامل ہوں گے۔ (بلاذریؒ کی "فتوح البلدان" اور امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" دیکھو)

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی یہ اسلامی تعلیمات اسلامی ملک میں ہیں تو کسی غیر اسلامی ملک میں بزور وزبردستی کسی غیر مسلم کو مسلمان کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اور بغیر دل سے مانے ہوئے وہ مسلمان کیسے بن سکتا ہے؟، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول کے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب جو وصیتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو لوگ ہمارے ملک میں رہتے ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں مسلمانوں کو ان کی طرف سے ان کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ (فتوح البلدان)

میں یہ سب باتیں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ عمر گوتم صاحب جیسے پڑھے لکھے اور سنجیدہ آدمی پر الزام ایک بے حقیقت تہمت ہے اس کے سوا اس کی کوئی واستو کتا نہیں ہے ہمیں اس کا تجربہ ہے کہ مسلمان جوانوں کو پکڑا جاتا ہے ان کو ملک کا باغی بنا کر پیش کیا جاتا ہے بلکہ ان کو ملک سے بغاوت کا سرغنہ بتایا جاتا ہے اور عمر قید کی سزا دی جاتی ہے بلکہ پھانسی کی سزا دی جاتی ہے اور اوپر کی عدالت سے وہ باعزت بری کردئے جاتے ہیں، جبکہ جیل میں ان جوانوں کی زندگی برباد ہو جاتی ہے ہم عدالتوں میں بار بار جاتے ہیں کہ تحقیق کرنے والوں کے خلاف سرزنش کے احکامات جاری ہونے چاہئیں لیکن یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ پولیس اور حکومت کی ایجنسیوں کا مورل گر جائے گا، مگر دنیا کہتی ہے کہ اللہ (باقی صفحہ ۱۴ پر)

گوشہ روزگار

ملازمت حاصل کرنے کے کچھ اہم گُر (۲)

نئی تکنیک کا علم، منصوبہ بندی کرنا اور ان پر عمل درآمد کی صلاحیت آپ کو بھیڑ سے الگ کرتی ہے۔ رائٹ مینجمنٹ کی کنٹری منیجر چیتالی مکھرجی کے مطابق فرد میں خود کو اپنے کام کے طریقوں کو نئے حالات کے مطابق تبدیل کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں سی جی آئی کمپنی کے ایچ آر وائس پریسڈنٹ پردیپ بنرجی کہتے ہیں کہ انٹلیجنس ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن ان کے دو اقسام ہیں۔ Native اور Cristalised تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں نیٹیو انٹلیجنس یعنی ڈگریوں کی اہمیت جہاں وقت کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے وہیں کرسٹلائزڈ انٹلیجنس تجربہ اور نئی چیزیں سیکھتے ہوئے وقت کے ساتھ بڑھتی ہیں۔ ایک اچھی کمپنی آپ کی ڈگری کے ساتھ ساتھ آپ کے تجربے کو بھی اہمیت دیتی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ مشورے آپ کے لیے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔

انٹرویو کے لیے بلایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ کمپنی کے لیے آپ ایک اہل امیدوار ہیں۔ ایک تجربہ کے مطابق ۸۰ فیصد امیدواروں کے درخواست فارم کو دیکھ کر ہی انھیں نامنظور کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر آپ کے پاس انٹرویو کال آیا ہے تو آپ ان ۲۰ فیصد خوش قسمت لوگوں میں سے ایک ہیں جنھیں کمپنی نے اہل پایا ہے۔ یعنی ایک اچھی نوکری پانے کے تین چوتھائی راستے کو آپ طے کر چکے ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو خود اعتمادی سے لبریز کر لیجیے اور انٹرویو کے مرحلے کو کامیابی سے پار کرنے کے لیے کمر کس لیجیے۔

فرسٹ امپریشن سب سے اہم ہے اپنی پسندیدہ نوکری پانے کے لیے اپنے آپ کو پرفیکٹ امیدوار بنانے میں فرسٹ امپریشن کا اہم رول ہوتا ہے جس کے لیے آپ کو صرف ۳۰ سیکنڈ ملتے ہیں۔ یہ ۳۰ سیکنڈ آپ کا مستقبل طے کر دیتے ہیں۔

برطانوی اخبار 'دی ٹیلی گراف' کے ایک جائزے کے مطابق بیشتر افراد جو انٹرویو لیتے ہیں وہ پہلے پانچ منٹ میں ہی یہ طے کر لیتے ہیں کہ امیدوار کا انتخاب ہوگا یا نہیں اس لیے فرسٹ امپریشن اہم ہوتا ہے۔ آپ کی پیشہ ور پیشکش کا لیول بہترین ہونا چاہیے۔ ایک ایچ آر کمپنی کے سربراہ کو وہ امیدوار پسند آتے ہیں جو پرکشش، پوسٹ سے متعلق تمام دستاویزات کو سلیقے کے ساتھ لے کر پوری طرح تیاری کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ کوئی بھی کمی نہیں چھوڑتے۔ وہ پہلی مرتبہ میں ہی اپنی چھاپ چھوڑتے ہیں اور ان کے تمام ریفرنس اور جانکاری درست ہیں ان کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ جلدی یا تاخر سے نہیں آنا چاہیے۔ وقت پر پہنچنا بہتر ہوتا ہے۔ صاف ستھرے کپڑے اور مسکراہٹ کے ساتھ متوازن رویہ فرسٹ امپریشن کو اچھا بناتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ اِنٹرویو کے لیے تاخیر سے پہنچ کر یہ تاثر دینا غلط ہے کہ آپ بہت مصروف آدمی ہیں تو خیال بالکل غلط ہے۔ کسی بھی کمپنی انتہائی مصروف لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ چاہیں تو کچھ دن قبل فون پر اپنا انٹرویو یقینی کر سکتے ہیں اور انھیں یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ آپ اس کے منتظر تھے، اگر چاہیں تو ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔ ◻◻

دریچے

م۔س۔ج۔

کیا آپ کا موبائل فون آپ کی ساری باتیں سن رہا ہے؟

اگر آپ نے کبھی یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کا موبائل فون آپ کی ساری باتیں سن رہا ہے تو کیا آپ نے کبھی اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے؟ کیا آپ کا موبائل فون آپ کی ہر بات سن رہا ہے یا کوئی اور بھی ہے جس کی نظر آپ پر ہے۔ کیا آپ نے کبھی اپنے دوست کے ساتھ موبائل پر بات کرتے ہوئے کسی پروڈکٹ کو خریدنے کی بات کی ہے اور کیا آپ نے اس کے بعد اس پروڈکٹ سے متعلق اشتہار اپنے موبائل فون پر دیکھے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا آپ کا فون آپ کو سن رہا ہے؟ یا کوئی اور ہے جو آپ کو دیکھ رہا ہے۔

کیا آپ کا فون آپ کی ہر بات سنتا ھے؟

ہم میں سے زیادہ تر افراد ہی اپنی نجی جانکاری اور اطلاعات اپنے ویب سائٹ اور ایپس پر باقاعدگی کے ساتھ شیئر کرتے ہیں۔ ہم ایسا اس وقت کرتے ہیں جب ہم ویب سائٹ یا ایپ کو کوئی پرمیشن (اجازت) دیتے ہیں یا کوکیز کو ہماری آن لائن سرگرمی کو ٹریک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ فرسٹ پارٹی کوکیز کو ہماری آن لائن سرگرمی کو ٹریک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ فرسٹ پارٹی کوکیز ہوتی ہے جو ویب سائٹ کو ہماری کچھ چیزیں یاد رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ مثال کے طور پر لاگ اِن کوکیز آپ کی لاگ اِن کی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی اجازت دیتی ہے تاکہ آپ کو ہر بار انھیں ری-انٹر نہ کرنا پڑے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ویب کوکیز کیا چیز ہے؟ اگر نہیں تو اس کا جواب بھی ہم آپ کو دے دیتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا ڈیٹا پیکٹ ہے جو کسی بھی ویب سائٹ پر آپ کی سرگرمیوں کو اکٹھا کرتا ہے۔ ایسے میں جب بھی آپ کسی ویب سائٹ پر جاتے ہیں، وہ ویب سائٹ آپ کے کمپیوٹر پر کوکیز بھیجتی ہے اور آپ کا کمپیوٹر اسے آپ کے ویب براؤزر کے اندر موجود فائل میں جمع کر دیتا ہے تاہم تھرڈ پارٹی کوکیز اس کا حصہ نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد آپ کا ڈیٹا مارکیٹرز کو دستیاب کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ کو آپ کے روزمرہ کے معمولات پسند اور ضروریات وغیرہ کے مطابق اشتہار فراہم کیا جاسکے۔

کمپیوٹرز کا ھے بھت اھم کردار

آرٹی فیشل انٹلیجنس (اے آئی یعنی مصنوعی ذہانت) میں کتنی مشین لرننگ تکنیک ہوتی ہے جو سسٹم کو آپ کے ڈیٹا کو فلٹر اور انالیسس (تجزیہ) کرنے میں مدد کرتی ہیں۔ اس میں ری انفورسمنٹ لرننگ (آر ایل) بھی شامل ہوتا ہے جسے آر ایل ایجنٹ بھی کہا جاتا ہے۔ ای آر ایل ایجنٹ وہ ہوتا ہے جو کسی بھی شخص کی سوشل میڈیا سرگرمیوں کو سمجھ کر خود کو ترتیت دیتا ہے۔ یہ اس بات کے لیے خود کو تیار کرتا ہے کہ آپ کی دلچسپی کس طرح کی پوسٹ کی طرف ہے اور آپ کس چیز کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ اس طرح آر ایل ایجنٹ کو یوزر انٹرسٹ سے متعلق میسیج بھی بھیجا جاسکتا ہے۔

آپ کو دِکھائے جانے والے اشتہار کا انحصار دوسرے ڈیٹا پر بھی ہوتا ہے۔ دوسرے پلیٹ فارمز پر کلک کیے جانے والے اشتہارات۔ عمر، ای میل، صنف، لوکیشن جیسی جانکاری دوسرے پلیٹ فارمز کے ساتھ شیئر کرنا۔ مشتہرین یا مارکیٹنگ پارٹنر کے ساتھ دوسری جانکاریاں شیئر کرنا جس کے یوزر آپ پہلے سے ہی ہوں۔ پلیٹ فارم پر کسی صفحہ یا گروپ کو جوائن کرنا یا لائک کرنا۔

درحقیقت اے آئی الگورتھم مارکیٹرز کو ڈیٹا کا ایک بہت بڑا اجنک فراہم کرتا ہے۔ پھر اسی ڈیٹا کا استعمال کرتے ہوئے صارف کو اس کی دلچسپی کے مطابق اشتہارات دِکھائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر فیس بک آپ کو کسی ایسی چیز کی تجویز (Recommendation) بھی دیتے ہیں جو آپ کے دوست نے حال ہی میں خریدی ہو۔

پرائیویسی (رازداری) ھے صارف کی پسند

جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں ایپ کمپنیوں کو صارفین کے ڈیٹا کو جمع کرنے، اسٹور کرنے اور استعمال کرنے کے طریقہ سے متعلق واضح شرائط وضوابط فراہم کرنا ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ صارفین کو بھی یہ ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس ایپ یا سائٹ کو کیا اجازت دے رہے ہیں۔ ضرورت ہو تب ہی کسی ایپ یا سائٹ کو کوئی پرمیشن (اجازت) دیں۔ دانا تر پریکٹیکل لوگ اے آئی یعنی مصنوعی ذہانت سے زیادہ انسانی سفارشات کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اے آئی کی سفارشات لوگوں کے انتخاب کو محدود کر دیں اور ساتھ ہی یہ مستقبل میں کسی بھی چیز کے متعلق سنجیدگی کو کم کر سکتے ہیں۔

اس طرح آپ اپنا ڈیٹا محفوظ رکھ سکتے ھیں

اپنے فون پر موجود ایپس کو دیئے گئے پرمیشن (اجازت) کی دوبار جانچ کریں۔ جب بھی کوئی ایپ یا سائٹ آپ سے کوئی اجازت طلب کرے تو اسے اجازت دینے سے قبل دو مرتبہ ضرور سوچیں۔ سوشل میڈیا اکاؤنٹ کو کسی بھی سائٹ یا سروس سے منسلک کرنے سے قبل ضرور سوچیں یا اسے نظر انداز کریں۔ اگر آپ اپنی رازداری کو لے کر زیادہ حساس ہیں تو آپ اپنی ڈیوائس میں VPN انسٹال کرلیں۔ یہ آپ کے آئی پی ایڈریس کو ماسک یعنی کوور کرتی ہے اور آپ کی آن لائن سرگرمیوں کو بھی خفیہ رکھتی ہے۔

بچوں کے لیے پیدل چلنا کیوں اور کتنا ضروری ہے؟

پیدل چلنے پھرنے کا شوق بچوں کا محبوب مشغلہ ہے، بچے بڑے شوق سے چلتے پھرتے ہیں۔ چلنے کے لیے کسی خاص وردی کی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی کسی کوچ کی تربیت یا رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بچہ یہ اکیلے ہی کرے۔ البتہ اس کے ساتھ خاندان کے افراد کا ہونا ضروری ہے تاکہ بچوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ بچوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے ہم ان میں بے عملی کی عادت، سستی، زیادہ وزن کے مسائل اور دیگر سنگین نتائج دیکھ رہے ہیں۔ ایک چھوٹا بچہ بالغ فرد سے مختلف نہیں ہوتا۔ اس کے جسم اور پٹھوں کو لچک اور حرکت کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کی صحت کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے جو حرکت اور کھیل کے ذریعے ملتی ہے۔ دن میں آدھا گھنٹہ بچے کو چلانے، دوڑانے اور ہلکی ورزش کرانے سے بیماریوں کے خلاف اس کی قوت مدافعت بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ چلنے سے بچے ناقابل علاج اور دائمی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پیدل چلنا بچوں میں پھیلنے والی امراض سے بچاتا ہے، انہیں موٹاپے سے نجات ملتی ہے۔ پیدل چلنے سے بچے کے پٹھوں میں نرمی، لچک اور ہڈیوں کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چلنے سے مکمل طور پر خوراک کو ہضم کرنے اور اس میں جذب کرنے میں مدد ملتی ہے، جس سے بچے کو بہترین صحت ملتی ہے۔ کھیل کود سے بچے کو توانائی اور سرگرمی مہیا ہوتی ہے، کاہلی سے بچتے ہیں۔ بچے کے لیے دن میں آدھے گھنٹے تک چلنا اس کے پٹھوں کو مضبوط بناتا ہے اور وہ اپنے ہم عمروں میں خود کو مضبوط اور پراعتماد محسوس کرتا ہے۔

پہلے ہم خیال پارٹیاں متحد ہوں، اپوزیشن لیڈر کا انتخاب کوئی مسئلہ نہیں ہوگا

چراغ پاسوان کے ساتھ نتیش کمار نے جو اعتماد شکنی کی ہے اس سے ہم سب رنجیدہ ہیں

ایل جے پی کو توڑنا ایک غیر اخلاقی عمل ہے مودی حکومت کی تمام پالیسیاں عوام مخالف ہیں

راشٹریہ جنتا دل کے لیڈر اور لالو پرساد یادو کے سیاسی جانشین تیجسوی یادو کا انٹرویو

لالو پرساد یادو کے سیاسی وارث اور بہار کے اپوزیشن لیڈر تیجسوی یادو کا کہنا ہے کہ ۲۰۲۴ء کا انتخاب مودی کے خلاف خود عوام لڑیں گے۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف اپوزیشن کا چہرہ کون ہوگا اس پر ابھی سے بحث بے معنی ہے۔ چراغ پاسوان کو ساتھ لینے کے سوال پر ان کا کہنا ہے کہ یہ چراغ پاسوان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے والد کی سیاسی وراثت کو کیسے سنوارنا اوربچانا چاہتے ہیں۔ صوبائی اور قومی سیاست سے متعلق مختلف مسائل پر ان سے بات چیت ہوئی پیش ہیں خاص حصے۔

س: بہار کے موجودہ سیاسی پس منظر کو آپ کس شکل میں دیکھتے ہیں؟

ج: ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدعنوانی کی انتہا ہے۔ کھینچ تان اور اقتدار کے لالچ سے بہار کا نقصان ہورہا ہے جس سے عوام ناراض ہیں۔ اب برسر اقتدار پارٹیوں کے ممبران اسمبلی اور وزراء بھی عوام کی نبض کو سمجھ کر بغاوت کرنے کی تیاری میں ہیں۔ گزشتہ دنوں حکومت کے ہی ایک وزیر نے بدعنوانی اور بے لگام افسر شاہی سے تنگ آکر استعفیٰ دینے کا اعلان کیا تھا۔ کورونا کی دوسری لہر میں پوری دنیا نے دیکھا کہ کیسے ریاستی حکومت نے عوام کو بھگوان بھروسے چھوڑ دیا ہے۔

س: چراغ پاسوان سے آپ کی نزدیکیاں بڑھنے کی بات کہی جارہی ہے۔ کیا چراغ کو آپ اپنے اتحاد میں لینا چاہیں گے؟

ج: رام ولاس پاسوان جی سے ہم لوگوں کا سالوں پرانا خاندانی تعلق رہا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ کے علاوہ لالو جی اور رام ولاس جی نے ایک ساتھ سیاست بھی کی ہے۔ ان کی موت کے بعد جس طریقے سے بی جے پی اور نتیش جی نے اعتماد شکنی کی ہے اس سے ہم سبھی رنجیدہ ہیں۔ اب چراغ جی کو طے کرنا ہے کہ وہ اپنے والد کی وراثت کو کیسے سنوارتے اور آگے بڑھاتے ہیں۔

س: ویسے ایل جے پی کی تقسیم کا بہار کی سیاست پر کیا اثر پڑنے کا امکان ہے؟

ج: ایل جے پی کو توڑنے کے غیر اخلاقی عمل میں جو لوگ اور پارٹیاں ملوث ہیں ان کے خلاف غصہ کا ماحول ہے۔ عوام جان چکے ہیں کہ نتیش جی اور مودی شاہ کی جوڑی کو محض اقتدار کی ہوس ہے اور اس کے حصول کے لیے وہ لوگ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ بی جے پی، جے ڈی یو کے ساتھ جو چھوٹی پارٹیاں حکومت میں شامل ہیں وہ پہلے تو خود کے نظر انداز ہونے پر دکھی تھے، اب وہ اپنی پارٹی کے مستقبل سے فکر مند ہیں۔

س: آپ پر ایک بڑا الزام ہے کہ بہار کو جب آپ کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت آپ وہاں ہوتے ہی نہیں ہیں؟

ج: یہ الزام اقتدار میں بیٹھے وہ لوگ لگارہے ہیں جو اپنی ذمہ داری کو نبھانے میں ناکام رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کورونا کے دور میں خود ہی ۱۴۳ دنوں تک اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکلے۔ ہم عوام کی خدمت کے لیے نکلے تو ہم پر نصف درجن مقدمہ کا بوجھ لاد دیا گیا۔ اپوزیشن کا لیڈر ہونے کے سبب عوام ہم سے جو امیدیں رکھتے ہیں اس کو میں پورا کررہا ہوں۔ سب کو معلوم ہے کہ میرے والد بیمار ہیں اسی سلسلے میں میں دہلی میں تھا۔

س: قومی سیاست کی بات کی جائے تو ۲۰۲۴ء کے مدنظر آپ اپوزیشن کو کتنا تیار دیکھتے ہیں؟

ج: مودی حکومت کی تقریباً تمام پالیسیاں عوام مخالف اور ملک مخالف ہیں۔ عددی طاقت کی بدولت حکومت تاناشاہی کررہی ہے۔ گزشتہ سات سالوں میں مودی سرکار نے اپنے انتخابی وعدوں کو جملہ ثابت کرنے کے علاوہ کوئی بڑا کام نہیں کیا ہے۔ ۲۰۲۴ء میں یقینی طور پر غیر بی جے پی حکومت بنے گی۔

س: ملکی پیمانے پر بی جے پی کے خلاف متحد ہونے کے لیے اہم اپوزیشن جماعت ہونے کے باعث کانگریس کو جو رول ادا کرنا چاہیے تھا کیا وہ نبھا رہی ہے؟

ج: میں اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ کانگریس سمیت تمام ہم خیال پارٹیوں کو اپنی چھوٹی بڑی خواہشات کو قربان کر کے ملک کے تحفظ کے لیے مثبت کوششیں کرنی ہوں گی۔ مشترکہ لڑائی میں ہم سے اور ہماری پارٹی سے جو بھی مدد اور قربانی کی امیدیں عوام اور اتحادی پارٹیاں رکھتی ہیں اس کے لیے ہم تیار ہیں۔

س: ۲۰۲۴ء کا انتخاب مودی کے خلاف اپوزیشن کو چہرہ پیش کر کے لڑنا چاہیے یا بغیر چہرے کے؟

ج: یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔ ۲۰۲۴ کا عام انتخاب مودی کے خلاف خود عوام لڑیں گے۔ ابھی ہماری کوشش عوام مخالف حکومت کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی ہے۔ وزیر اعظم کون ہوگا یہ ہم سبھی لوگ مل بیٹھ کر طے کرلیں گے۔

س: مودی کے خلاف اپوزیشن کے کس لیڈر کو آپ بہتر چہرہ مانتے ہیں؟

ج: شاید بی جے پی میں نیتاؤں کا قحط ہے لیکن اپوزیشن میں ایسا نہیں ہے۔ ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک قابل، تجربہ کار اور باصلاحیت لیڈر ہیں۔ وقت آنے پر اس کا جواب مل جائے گا۔

س: آئندہ سال کی ابتدا میں اتر پردیش سمیت پانچ صوبوں کے انتخابات ہیں، اس میں آپ کا کیا رول ہوگا؟

ج: یوپی سمیت جہاں بھی انتخابات ہونے والے ہیں ہم کوشش کریں گے کہ بی جے پی کے عوام مخالف کردار کو ظاہر کریں اور مذہبی نفرت پیدا کرنے والی حکومت کو اُکھاڑ پھینکنے کی مشترکہ کوششوں میں حصہ لیں۔ ❑❑

یوگی اتر پردیش کے دوبارہ وزیر اعلیٰ بنے تو ریاست چھوڑ دوں گا: منور رانا

مشہور ومعروف شاعر منور رانا نے ایک بار پھر اپنے بیان سے اتر پردیش کی سیاست میں گرمی پیدا کردی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ آئندہ سال اتر پردیش میں ہونے والے اسمبلی انتخابات میں اگر یوگی آدتیہ ناتھ مجلس اتحاد المسلمین سربراہ اسدالدین اویسی کی وجہ سے وزیر اعلیٰ بنتے ہیں تو وہ اس ریاست کو چھوڑ دیں گے۔ منور رانا نے ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل سے بات کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اویسی اور بی جے پی دراصل ایک ہی سکہ کے دو پہلو ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ دنیا کو دکھانے کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں لیکن حقیقت میں اویسی ووٹوں کو اس طرح پولرائز کرتے ہیں کہ اس کا فائدہ بی جے پی کو پہنچتا ہے۔ منور رانا نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر یوپی کے مسلم اویسی کے جھانسے میں آکر ان کی پارٹی آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین کو ووٹ کریں گے تو ایسی صورت میں کوئی بھی یوگی آدتیہ ناتھ کو اتر پردیش کا دوبارہ وزیر اعلیٰ بننے سے نہیں روک سکے گا اور اگر یوگی دوبارہ وزیر اعلیٰ بنتے ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ اب یہ ریاست مسلمانوں کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ منور رانا نے ٹی وی چینل سے بات چیت کے دوران دعویٰ کیا کہ جس طرح مسلم لڑکے پریشر کوکر کے ساتھ گرفتار کئے جارہے ہیں، اور انہیں القاعدہ کا حامی اور اس سے وابستہ ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، میں خوفزدہ ہوں کہ کل کوا ے ٹی ایس مجھے بھی دہشت گرد کے طور پر گرفتار کرلے۔ آخر میں بھی تو پاکستان مشاعروں میں شرکت کے لئے جاتا رہتا ہوں۔ جب منور رانا سے ایک متنازعہ سوال یہ کیا گیا کہ مسلمان آٹھ آٹھ بچے پیدا کیوں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے یوپی حکومت کو آبادی کنٹرول قانون لانے کو مجبور ہونا پڑا ہے؟ تو اس کے جواب میں معروف شاعر کا کہنا تھا کہ مسلم آٹھ بچے اس لئے پیدا کرتے ہیں کہ اگر دو کو پولیس اٹھا لے اور دو کی کورونا میں موت ہوجائے تو اس کے بعد بھی اس کے چار بچے اپنے والدین کی خدمت ودیکھ بھال کے لئے گھر میں موجود ہوں گے۔

ھوا کے دوش پر

دُنیا بھر میں گرمی کے نئے ریکارڈ قائم

گلوبل وارمنگ کے اثرات اب واضح طور پر نظر آنے لگے اور یہی وجہ ہے کہ امریکہ، یوروپ، کینیڈا اور خلیجی ممالک اس وقت شدید گرمی کی لہر کا سامنا کررہے ہیں اور نسبتاً سرد ماحول میں رہنے والے یوروپی اور امریکی ممالک کے شہریوں کے لیے شدید گرمی ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ الجزیرہ کی مرتب کردہ ایک رپورٹ کے مطابق کینیڈا ۴۹۱ر اعشاریہ ۶ ڈگری، کویت ۵۳ر۱ اعشاریہ ۲ ڈگری سینٹی گریڈ کے ساتھ دنیا کے گرم ترین مقامات میں شامل ہیں۔ جون کا مہینہ زمین کے شمالی نصف کرہ کے متعدد ممالک میں گرم ترین مہینہ رہا ہے۔ کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں پارہ ۵۰ ڈگری سے تجاوز کرنے سے ۲۵ر جون تک ۴۸۶ر اچانک اموات ریکارڈ کی گئیں۔ امریکہ میں جاری ہیٹ ویو کی وجہ سے پاور لائنز پگھل گئیں اور ہائی ویز پر دراڑیں پڑ گئیں۔ ۲۲ر جون کو کویتی شہر نیویسیب میں دنیا اور اس سال کا سب سے زیادہ درجہ حرارت ریکارڈ کیا گیا جہاں پارہ ۵۳ر۱ اعشاریہ ۲ ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کرگیا۔ کویت کے پڑوسی ملک عراق میں یکم جولائی کو درجہ حرارت ۵۱ر۱ اعشاریہ ۶ ڈگری اور ایران میں ۵۱ ڈگری ریکارڈ کیا گیا۔ جون میں مشرق وسطیٰ کے متعدد ممالک متحدہ عرب امارات، عمان اور سعودی عرب میں ۵۰ ڈگری سے زائد درجہ حرارت ریکارڈ کیا گیا۔ عموماً خلیجی ممالک میں موسم گرما میں درجہ حرارت ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کرجاتا ہے لیکن اس سال گرمی نے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ دنیا کے گرم ترین مقامات کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال دنیا کے ہر ملک میں درجہ حرارت نے نئے ریکارڈ قائم کیے۔

ذات پات کی تفریق کے سبب آئی آئی ٹی مدراس کے پروفیسر کا استعفیٰ

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی مدراس کے ایک اسسٹنٹ پروفیسر کو ذات پات پر مبنی تفریق برتے جانے کے سبب انسٹی ٹیوٹ سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ ملک کی متعدد ریاستوں سے اکثر ایسے ہی واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ اعلیٰ ذات کے دبنگوں نے نیچی ذات والے لوگوں کی بارات کو اپنے علاقے سے ہوکر نہیں گزرنے دیا اور اگر کسی نے ایسی جرأت کی تو اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن یہ شرناک واقعہ تو ملک کے اعلیٰ ترین ادارہ آئی آئی ٹی میں پیش آیا ہے جہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیسر حضرات اپنے درمیان کسی دلت پروفیسر کی موجودگی کو گوارہ نہیں کرسکے۔ ذات پات کی تفریق سے عاجز آکر استعفیٰ دینے والے اسسٹنٹ پروفیسر وپن پودیتھ وتیتھل نے ای-میل ذریعہ بھیجے گئے اپنے استعفیٰ نامہ میں فیکلٹی کے سینئر پروفیسروں پر ہراساں کرنے کا الزام عائد کیا ہے اور یہ ای-میل سوشل میڈیا پر بھی وسیع پیمانے پر شائع کیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ جب سے وہ 2019ء سے اس انسٹی ٹیوٹ میں آئے ہیں تب سے ذات پات کی بنیاد پر انھیں ہراساں کیا جارہا ہے۔ مسٹر وپن وتیتھل آئی آئی ٹی مدراس کے شعبہ اقتصادیات میں پوسٹ ڈاکٹریٹ فیکلٹی کے ممبر ہیں اور انھوں نے چین میں اپنی اسکولی تعلیم مکمل کی تھی، ہندو کالج دہلی یونیورسٹی سے بیچلر آف اکنامکس کی ڈگری حاصل کی تھی اور یوروپ کے تعلیمی اداروں میں کافی وقت گزارنے کے بعد امریکہ کی جارج میسن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ان کے ساتھ یہ امتیازی سلوک ذاتی سطح پر برتا گیا ہے اور وہ اس ہراسانی کی وجہ سے انسٹی ٹیوٹ چھوڑ رہے ہیں اور وہ اس معاملے میں مناسب قدم اُٹھائیں گے۔ ان کے استعفیٰ کے بعد آئی آئی ٹی مدراس کی جانب سے جاری ہونے والے ایک میڈیا بیان میں کہا گیا ہے کہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ان کے ای-میل کا کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کو کسی بھی ملازم یا طالب علم کی طرف سے جو بھی شکایت موصول ہوتی ہے اس پر ٹھوس طریقہ کار کے مطابق کارروائی کی جاتی ہے اور اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ مسٹر وتیتھل نے اپنے ای میل میں انسٹی ٹیوٹ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ درج فہرست ذاتوں اور دیگر پسماندہ طبقات کے ملازمین اور طلبہ کے تجربات کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دے اور اس کمیٹی میں درج فہرست ذات وقبائل کے کمیشن کے ممبران، پسماندہ طبقات کمیشن کے رکن اور نفسیاتی ماہرین کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔

ٹیچر بھرتی گھوٹالہ، دس سال بعد رہا ہوئے چوٹالہ

ہریانہ کے سابق وزیر اعلیٰ او پی چوٹالہ کو جیل سے رہا کردیا گیا ہے۔ ٹیچر بھرتی گھوٹالہ کیس میں انھیں دس سال کی سزا سنائی گئی تھی۔ دراصل مشہور جے بی ٹی گھوٹالے میں سابق وزیر اعلیٰ اوم پرکاش چوٹالہ کی سزا پوری ہوگئی ہے حالانکہ اوم پرکاش چوٹالہ پیرول پر باہر ہیں، لہٰذا وہ صرف جیل کی رسمی کارروائیوں کو مکمل کرنے کے لیے تہاڑ جیل جائیں گے۔ سزا کے وقت کا بہتر استعمال کرتے ہوئے ہریانہ کے ۸۲ سالہ سابق وزیر اعلیٰ اوم پرکاش چوٹالہ نے بارہویں جماعت کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کرلیا ہے۔ سزا کے دوران وہ تہاڑ جیل میں قیدیوں کے لیے قائم کیے گئے مرکز میں نیشنل اوپن اسکول کے زیر اہتمام بارہویں کے امتحان میں شریک ہوئے تھے۔ فائنل امتحان ۲۳ر اپریل کو ہوا تھا۔ اس دوران انھیں پیرول پر رہا کیا گیا تھا لیکن چونکہ امتحان مرکز جیل کے احاطے کے اندر تھا لہٰذا وہ دوبارہ جیل گئے اور امتحان میں شامل ہوئے۔ واضح ہو کہ ۲۲ر جنوری ۲۰۱۳ء کو سی بی آئی کی خصوصی عدالت نے چوٹالہ سمیت کل ۵۵ ملزمان کو اس معاملے میں سخت قید کی سزا سنائی تھی۔ سی بی آئی کا الزام ہے کہ ملزم نے غیر قانونی طور پر ۳۲۰۶ جونیئر اساتذہ کی بھرتی کی تھی۔ یہ بھرتی ۲۰۰۰ء میں کی گئی تھی اور اس وقت اوم پرکاش چوٹالہ ہریانہ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ملزم نے زیریں عدالت کے فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی تھی۔ کیس کی سماعت کے دوران او پی چوٹالہ کو میڈیکل گراؤنڈ پر عبوری ضمانت مل گئی تھی۔ بعد ازاں اکتوبر ۲۰۱۴ء میں ہائی کورٹ نے انھیں جیل کے سامنے سرینڈر کرنے کا حکم دیا تھا۔

ماضی کے جھروکے سے
تاریخ ہند کا ایک ورق

ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ (۱)

جو جمعیۃ علماء ہند کے پالیسی سازوں میں ایک اہم مقام کے حامل تھے

تحریر: مولانا محمد یٰسین جہازی (جمعیۃ علماء ہند)

آپ کا اسم گرامی ابوالمحاسن محمد سجاد ابن مولوی حسین بخش ابن سید فرید الدینؒ ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام بی بی نصرین (نصیر النساءؒ) جب کہ نانا بزرگوار سید داود علیؒ تھے۔ آپ کا تعلق جاج نیری سادات سے تھا۔ پنہسہ، بہار شریف نالندہ ریاست بہار میں آپ کی پیدائش بتاریخ دسمبر ۱۸۸۱ء میں ہوئی۔ آپ پانچ سال کی عمر میں ہی یتیم ہوگئے تھے۔ ۱۸۸۶ء میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ اپریل ۱۸۹۳ء میں مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخل کیے گئے۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں دارالعلوم کانپور میں داخلہ لیا۔ پھر فروری ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے طالب علم بنے۔ چھ مہینے بعد خانگی ضروریات کے پیش نظر دیوبند سے وطن واپس آئے، تو جولائی ۱۸۹۹ء میں آپ کا نکاح کردیا گیا۔ آپ دوبارہ دیوبند نہ جاسکے لیکن تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے، فروری ۱۹۰۰ء میں مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں داخل ہوگئے۔ اور نومبر ۱۹۰۲ء میں یہیں سے فراغت حاصل کی۔ جس کے بعد شادی کی رخصتی کردی گئی۔ ۱۹۰۲ء میں ہی آپ حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت ہوئے۔ ۳ر تا ۵ر جون ۱۹۰۴ء کو مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں دستار بندی عمل میں آئی۔ ۱۹۰۴ء میں مدرسہ اسلامیہ بہار شریف سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۳ر فروری ۱۹۰۷ء کو مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ جون ۱۹۰۷ء میں آپ مدرسہ سبحانیہ سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف واپس آگئے۔ بعد ازاں اکتوبر ۱۹۰۸ء میں بہار شریف سے دوبارہ الٰہ آباد واپس آگئے، جہاں آپ ۱۹۱۱ء تک قیام پذیر رہے۔

۱۹۰۸ء میں آپ کی سیاسی افکار کا آغاز ہوا جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اگست ۱۹۱۱ء میں آپ الٰہ آباد سے گیا، بہار تشریف لائے، اور اسی مہینے میں مدرسہ انوار العلوم گیا کی تاسیسی نشاۃِ ثانیہ فرمائی۔ پورے بھارت کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لیے، ریاستی سطح پر اس کا آغاز کرتے ہوئے ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو انجمن علمائے بہار کی داغ بیل ڈالی اور کل ہند سطح پر اس کو وسعت دینے کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ ۱۹۱۸ء میں آپ کا دوسرا نکاح بی بی شاکرہ سے ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ کے ساتھ مل کر خلافت کمیٹی قائم کی۔ اور خلافت کمیٹی بمبئی قائم ہونے کے بعد اس کی ایک شاخ اپریل ۱۹۱۹ء میں گیا بہار میں قائم کی۔ ۱۸ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں ہونے والی مسلم کانفرنس کی قیادت فرمائی۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں منعقد جمعیۃ علماء ہند کی تاسیسی میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ جمعیۃ علماء ہند کے پہلے اجلاس منعقدہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں تشکیل دی جانے والی پہلی مجلس منتظمہ میں آپ کا اسم گرامی شامل کیا گیا۔ ۱۴ر مئی ۱۹۲۰ء کو جمعیۃ علماء بہار کے تحت دار القضا قائم کیا۔ ۲۵-۲۶ر جون ۱۹۲۱ء کو امارت شرعیہ کی تاسیس فرمائی اور آپ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء کو پٹنہ میں امارت شرعیہ کے دفتر کا سنگ بنیاد رکھا۔ سیاسی تحریکات کو فروغ دینے کے لیے ۲۳ر جون ۱۹۲۳ء کو حزب اللہ کا قیام اور دسمبر ۱۹۲۴ء میں قومی تعلیمی مرکز قائم فرمایا۔ ۱۱ر تا ۱۳ر جنوری ۱۹۲۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کے چھٹے اجلاس عام کی صدارت کی۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء میں چلنے والی جمعیۃ علماء ہند کی جنگی تحریک دائرہ حربیہ کے سربراہ رہے۔ ۲۵ر اگست ۱۹۳۵ء میں بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی بنائی۔ ۱۹۳۸ء میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن لکھنو کی قیادت کی۔ ۹ر جون ۱۹۴۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔

آپ جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی شخصیات و عہدیداروں میں ایسی شخصیت ہیں، جن کا انتقال سب سے پہلے ہوا۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۴۰ء بروز سوموار ہے۔ قبرستان خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں مدفون ہیں۔ کل عمر مبارک ہجری حساب سے ۵۹ سال ۱۰ ماہ اور عیسوی حساب سے تقریباً ۵۸ر سال ۱۰ ماہ ہے۔

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ بیسویں صدی کے غلام بھارت میں اسلامی وسیاسی قیادت کے شہ دماغ تھے۔ آپ بیک وقت فقہی، قانونی اور سیاسی بصیرت میں امتیاز رکھتے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ علما اپنی خانقاہوں اور اداروں سے نکل کر سیاسیات میں بھی قوم کی رہبری کریں۔

مولانا سجاد اور جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ بیسویں صدی کے غلام بھارت میں اسلامی وسیاسی قیادت کے شہ دماغ تھے۔ آپ بیک وقت فقہی، قانونی اور سیاسی بصیرت میں امتیاز رکھتے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ علما اپنی خانقاہوں اور اداروں سے نکل کر سیاسیات میں بھی قوم کی رہبری کریں۔ چنانچہ اس کے لیے عملی قدم بڑھاتے ہوئے، کل ہند سطح پر علما کی جمعیۃ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ملی، تو ریاستی سطح پر اس کی شروعات کرتے ہوئے 15ر دسمبر 1917 میں انجمن علمائے بہار قائم فرمایا، جو بعد میں جمعیۃ علماء بہار کہلایا۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کے ساتھ مل کر خلافت کمیٹی کی تشکیل کی۔ دہلی میں منعقد آل انڈیا خلافت کانفرنس کے موقع پر ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیسی میٹنگ میں شرکت فرمائی اور اس طرح آپ کا کل ہند سطح پر علما کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں منعقد جمعیۃ علماء ہند کے پہلے اجلاس میں پہلی مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی، جس میں آپ کو اس کا رکن منتخب کیا گیا۔ ۱۹-۲۰-۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام ہوا، جس میں برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کا مفصل فتویٰ آپ نے ہی مرتب فرمایا، جس پر تقریباً پانچ سو علمائے کرام نے دستخط کیے اور یہ فتویٰ متفقہ فتویٰ علمائے ہند کہلایا۔ حضرت مولانا ابوالمحاسنؒ غیر اسلامی ہندستان میں نصب امیر کو ایک ملی فریضہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس کے لیے عملی قدم اٹھاتے ہوئے ۲۵ و ۲۶ر جون ۱۹۲۱ء کو پٹنہ میں امارت شرعیہ کی داغ بیل ڈالی، جس میں آپ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا اور مرکزی سطح پر اس کے قیام کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۸-۱۹-۲۰ر نومبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تو اس میں آپ ہی کی کوششوں سے امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز باتفاق رائے منظور کی گئی: ''جمعیۃ علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلہ میں پاس کی تھی، وہ بھی انھی کی سعی کا نتیجہ تھا۔'' (حیات سجاد، ص ۱۰۵، مضمون مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند)

اسی اجلاس میں امیر شریعت کے اختیارات وفرائض کے تعین کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی، جس میں پندرہ اراکین میں سے ایک رکن آپ بھی تھے۔ آپؒ ہی نے 'نظام نامہ امیر الشریعۃ فی الہند' کے نام سے ایک مستقل مسودہ تیار کیا، جسے ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو بدایوں میں منعقد اجلاس میں پیش کیا گیا۔ ۲۰-۲۱ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا، جس میں جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے پاک کرنے کے وسائل اور بالخصوص حجازی و برطانوی معاہدہ کو اٹھا دینے کے ذرائع پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی، جس میں آپ کو رکن نامزد کیا گیا۔

قادیانیوں کے خلاف فتویٰ

۶ر نومبر ۱۹۲۳ء بمقام دہلی انسداد فتنہ قادیانی کا اجلاس ہوا، جس میں قادیانیوں کے متعلق فتویٰ مرتب کرنے کے لیے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے ساتھ، آپ کا اسم گرامی بھی کمیٹی میں شامل کیا گیا۔ ۷ر نومبر ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ تبلیغیہ کے اجلاس میں، شدھی اور سنگٹھن کے ارتداد کا مقابلہ کرنے کے لیے جمعیۃ تبلیغیہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس کا ایک رکن مولانا ابوالمحاسنؒ کو بھی بنایا گیا۔ اسی اجلاس کی ایک تجویز میں مولانا مبارک صاحب اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے اس پر زور دیا کہ شعبہ تبلیغ کا اخبار جاری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جب مناسب موقع معلوم ہو تو ایک ہفت وار اخبار ضرور نکالنا چاہیے۔ (خلاصہ کارروائی جمعیۃ تبلیغیہ، ص ۱ تا ۵) (جاری)

گاھے گاھے باز خواں...... ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

(ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!)

ہفت روزہ **الجمعیۃ** نئی دہلی

۱۴ر تا ۲۰ر جنوری ۲۰۰۵ء

بی جے پی کے عہدۂ صدارت سے مسٹر ایڈوانی کی وداعی

۲۰۰۵ء میں مسٹر لال کرشن ایڈوانی کو بی جے پی کے عہدۂ صدارت سے وداعی دے دی گئی تھی، اس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

آخر کار بی جے پی کے صدر مسٹر لال کرشن ایڈوانی نے ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۵ء کو اپنے سنگھی آقاؤں کے ساتھ ۱۷ر جولائی کو کیے گئے اپنے وعدہ کے مطابق مدراس کی بی جے پی ایگزیکٹیو میٹنگ میں ۳۰ر دسمبر تک اپنے استعفیٰ کا اعلان کرکے اپنا وعدہ پورا کر ہی دیا۔

گذشتہ ۱۱ر جولائی کو آر ایس ایس کے سرکاریہ واہک مسٹر موہن بھاگوت نے مسٹر ایڈوانی سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کرکے انھیں بتا دیا تھا کہ سنگھ ان کا استعفیٰ چاہتا ہے۔ مسٹر ایڈوانی نے اس وقت بھاگوت سے کہا تھا کہ وہ غور کرکے اور پارٹی سے مشورہ کرکے اس کا جواب دیں گے۔ ایک ہفتہ بعد ہی ۱۷ر جولائی کو مسٹر لال کرشن ایڈوانی آر ایس ایس کے دہلی دفتر جھنڈے والان گئے اور مسٹر بھاگوت سے وعدہ کیا کہ وہ دسمبر میں اپنے عہدہ سے مستعفی ہوجائیں گے۔ مسٹر بھاگوت نے استعفیٰ کے اعلان کے لیے وقت اور موقع کے انتخاب کا اختیار ایڈوانی کو دے دیا تھا جس کا استعمال کرتے ہوئے انھوں نے آخر دسمبر تک اپنے استعفیٰ کا اعلان کردیا ہے۔ اب مسٹر ایڈوانی ایک مستعفی صدر کی حیثیت سے اگلے تین ماہ تک صدر کی کرسی پر بیٹھیں گے اور ۳۰ر دسمبر کو بی جے پی صدارت کی اس کرسی کو رام رام کہتے ہوئے رخصت ہوجائیں گے۔

مسٹر لال کرشن ایڈوانی نے مدراس کی ایگزیکٹیو میٹنگ میں اپنی اختتامی تقریر میں دبے لفظوں میں آر ایس ایس پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بی جے پی ایک سیاسی پارٹی ہے جو عوام کے سامنے جوابدہ ہے جبکہ آر ایس ایس ایک سماجی وثقافتی تنظیم ہے جو عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اور کسی ایسی تنظیم کا جو کسی کو جوابدہ نہ ہو کسی سیاسی تنظیم کے معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں ہے۔ اس سے دونوں تنظیموں پر بُرا اثر پڑسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بات مسٹر ایڈوانی آج کیوں کہہ رہے ہیں؟ کیا وینکیا نائیڈو کو آر ایس ایس کے اشارہ پر ہٹا کر خود انھوں نے صدارت کی کرسی نہیں سنبھالی تھی۔ اگر مسٹر ایڈوانی واقعی سنجیدہ ہیں اور یہ بات انھوں نے سنجیدگی کے ساتھ کہی ہے تو اس وقت انھوں نے اسے کیوں محسوس نہ کیا جب مسٹر باجپئی کے گھر پر آر ایس ایس کے ایک دوسری صف کے لیڈر کے کہنے پر نائیڈو سے استعفیٰ لے لیا گیا تھا اور یہ استعفیٰ لینے میں مسٹر ایڈوانی ہی پیش پیش تھے۔ کاش مسٹر ایڈوانی اس وقت اپنے اس کرب کا اظہار کرتے تو آج ان کی حیثیت بڑھ جاتی۔

بعض سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اپنی اس بات سے مسٹر ایڈوانی کا مقصد آر ایس ایس پر نشانہ لگانا نہیں اس لیے کہ سنگھ کے خلاف کچھ کہنے کی ان میں جرأت ہی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ آر ایس ایس ایک ثقافتی تنظیم ہے اور بی جے پی کے فیصلوں میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سے مسٹر ایڈوانی یہ بھی ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ بی جے پی کی صدارت سے استعفیٰ انھوں نے آر ایس ایس کے دباؤ میں نہیں بلکہ خود اپنی مرضی سے دیا ہے۔

بی جے پی اور سنگھ کے درمیان گذشتہ چھ ماہ کے دوران چوہے بلّی کا جو کھیل چلتا رہا ہے اس کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح صاف ہوجاتی ہے کہ مسٹر ایڈوانی چاہے جو بھی کہتے رہیں مگر یہ ایک سچائی ہے کہ آر ایس ایس کے بغیر نہ بی جے پی کا اپنا کوئی وجود ہے اور نہ ہی آر ایس ایس کے زیر سایہ چلنے والی کسی دوسری تنظیم کا کوئی وقار ہے۔ بی جے پی اگر بی جے پی ہے تو وہ صرف آر ایس ایس کی وجہ سے ہے۔ مسٹر ایڈوانی کی پاکستان سے واپسی کے فوراً بعد آر ایس ایس کی ناراضگی کو دیکھتے ہوئے خود بی جے پی کے چھوٹے بڑے لیڈروں نے جس طرح مسٹر ایڈوانی سے بے رخی کا مظاہرہ کیا اس سے صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ بی جے پی کا کوئی بھی رہنما اور ذمہ دار آر ایس ایس کی ناراضگی کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ماضی میں آر ایس ایس اپنی سپر پاور ہندوتو کی طاقت کا مظاہرہ بھی کرچکا ہے۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں مسز اندرا گاندھی کی ہلاکت کے بعد چونکہ آر ایس ایس ایک ایسے فرقہ کو اس کے چند افراد کی غلطی کی سزا دینا چاہتا تھا جو اپنے آپ کو ہندو کہنے سے انکار کر رہا تھا جبکہ بی جے پی اسی فرقہ کو پنجاب اور دہلی میں اپنا ووٹ بینک بنانے کے لیے اس حادثہ کا دوسرا استعمال کرنا چاہتی تھی۔ اسی اختلاف کے دوران پارلیمانی انتخابات ۱۹۸۵ء کا بگل بج گیا۔ آر ایس ایس اور بی جے پی دونوں کے لیے اپنی طاقت دکھانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ آر ایس ایس نے بی جے پی کی حمایت سے در پردہ کنارہ کشی اختیار کرلی اور جب انتخابی نتائج سامنے آئے تو اس کی جھولی میں صرف دو سیٹوں کا سرمایہ تھا۔ اس طرح یہ الیکشن آر ایس ایس کے اپنے ہندوتو سپر پاور ہونے کا واضح اعلان ثابت ہوا اور اب ۲۰۰۵ء میں جب مسٹر ایڈوانی نے ایک بار پھر آر ایس ایس کی طاقت کو چیلنج کرنے کی کوشش کی تو مسٹر ایڈوانی کو استعفیٰ دینے پر مجبور کرکے اس نے پھر ثابت کردیا ہے کہ اس کی یہ طاقت برقرار ہے اور اسے چیلنج کرنے والے کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

بہرحال مسٹر ایڈوانی کا یہ بیان آر ایس ایس پر نکتہ چینی مانا جائے یا اس کا دفاع۔ مسٹر ایڈوانی اب ہندوتو تاریخ کا ایک قصّۂ پارینہ بن چکے ہیں اور اب کوئی کرشمہ ہی انھیں سیاسی طور پر کوئی زندگی عطا کرسکتا ہے۔ مسٹر ایڈوانی نے مدراس کی بی جے پی ایگزیکٹیو کی میٹنگ میں ہندوتو کے گیت گاکر اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے مگر یہ اب مشکل ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بار بار آزمائے ہوئے منتر کے ذریعہ سیاسی زندگی حاصل کرسکیں گے آر ایس ایس کے لیڈر بھی اب بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ رام جنم بھومی، یکساں سول کوڈ اور دفعہ ۳۷۰ کے خاتمہ والے مطالبات جنھیں ہندوتو کی پہچان کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے اب فرسودہ ہوچکے ہیں اس لیے مسٹر ایڈوانی لاکھ بار ان موضوعات کی دہائی دیں اب ان کی سیاسی زندگی میں ایک بھی دن کا اضافہ ہونے والا نہیں ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۶)

امریکن دستور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دستور کو سب سے زیادہ برتر مانا گیا ہے۔ اس کی منشا اور اسپرٹ کے خلاف بنائے گئے کسی بھی قانون اور عاملہ کے کسی بھی حکم کو سپریم کورٹ خلافِ دستور قرار دے سکتا ہے۔ یہ دستور تفریق اختیارات کے اصول پر مبنی ہے۔ اس نے اس کی کوشش کی ہے کہ حکومت کے تینوں شعبوں یعنی انتظامیہ (Executive)، مقنّنہ یا قانون بنانے والی جماعت (Legislature) اور عدلیہ (Judiciary) کو ایک دوسرے سے الگ اور آزاد رکھا جائے تاکہ ہر شعبہ اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں پوری آزادی سے کام کرسکے۔ لیکن اس کے ساتھ اس دستور کی یہ بھی نمایاں خصوصیت ہے کہ حکومت کے تینوں شعبوں کے قریبی اور گہرے تعلق کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود مختلف شعبوں کو ایک دوسرے کا نگراں بنایا گیا ہے تاکہ کوئی بھی شعبہ بہت زیادہ بااختیار نہ ہوسکے۔ یعنی اختیارات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ ایک شعبہ دوسرے شعبہ کا ماتحت نہ ہوجائے۔ مثلاً صدر امریکن کانگریس کا اپر چیمبر (Upper Chamber) یا سینیٹ (Senate) کی منظوری کے بغیر نہ تو صدر اہم عہدوں پر تقرر کرسکتا ہے اور نہ دوسرے ملکوں سے معاہدے اور صلح نامے کرسکتا ہے۔ اسی طرح سے سپریم کورٹ کے ججوں کا تقرر سینیٹ کی منظوری کے بعد صدر کرتا ہے لیکن سپریم کورٹ امریکن کانگریس یا مقنّنہ کے پاس کیے ہوئے قوانین اور صدر کے احکام کو غیر دستوری قرار دے سکتی ہے۔ اس طرح سے انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ تینوں ایک دوسرے کو کنٹرول کرسکتی ہیں۔ اس دستور میں امریکن شہریوں کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی بدولت عام شہریوں کی شخصی آزادی محفوظ ہوگئی ہے۔ ان حقوق کی پامالی پر یا ان کے حصول کے لیے عدالتی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔ ان حقوق کے بغیر دستوری ترمیم کے نہ تو انتظامیہ سب کرسکتی ہے اور نہ مقنّنہ یا کانگریس۔

عالمِ اسلام

حج انتظامات میں سعودی خواتین اہلکاروں کا اہم کردار

سعودی خواتین نے اس سال حج موسم کے انتظامات میں حصہ لیا ہے۔ پہلے بھی یہاں کی خواتین مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتی رہی ہیں۔ العربیہ نیٹ کے مطابق اس سال حج موسم میں شہری دفاع، پاسپورٹ اور امن عامہ کے محکموں کے انتظامات میں خواتین شریک ہوئیں۔ سعودی سیکورٹی اہلکار خواتین نے اس سال حج موسم کے دوران مسجد الحرام، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں امن وامان قائم کرنے میں حصہ لیا۔ انہوں نے حجاج کے خیموں میں امن وسلامتی کے اقدامات کیے۔ تفتیشی مہم، نگرانی، ترجمے، شکایات کی وصولی، فیلڈ ڈیوٹی اور مختلف امور کو منظّم کرنے میں حصہ لیا۔ سعودی حکومت نے مختلف شعبوں میں خواتین کی شراکت کو یقینی بنایا۔ سعودی وژن ۲۰۳۰ء کے تحت ملک میں تبدیلی آ رہی ہے۔ خواتین اس تبدیلی کا حصہ بن رہی ہیں۔ سعودی وژن ۲۰۳۰ء میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ خواتین سعودی عرب کی طاقت کا اہم حصہ ہیں۔

بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کے لئے امدادی منصوبہ مکمل

کنگ سلمان ہیومینیٹیرین ایڈ اور ریلیف سینٹر نے مسلم ورلڈ لیگ کے تعاون سے بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں اور ان کی میزبانی کرنے والی کمیونیٹیز کے لیے ۸۰ ہزار فوڈ پیکٹ تقسیم کرنے کا منصوبہ مکمل کیا ہے۔ سعودی خبر رساں ایجنسی ایس پی اے کے مطابق یہ منصوبہ دو ماہ تک جاری رہا جس میں کاکس بازار، ڈھاکا، جیسور، راجشاہی، چاٹگام اور پنچی سور جزیرے کے علاقوں میں پانچ لاکھ افراد کو فائدہ پہنچا۔ کنگ سلمان ہیومینیٹیرین ایڈ اور ریلیف سینٹر اور مسلم ورلڈ لیگ کی مشترکہ ٹیمیں پناہ گزین کیمپوں اور بنگلہ دیش کے مختلف علاقوں میں ۸۰ سے زائد تقسیم کے مقامات پر پہنچی ہیں۔ فیلڈ ٹیموں نے بنگلہ دیش کے انتہائی ضرورت مند گھرانوں تک پہنچنے کے لیے ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کیا۔ کنگ سلمان ہیومینیٹیرین ایڈ اور ریلیف سینٹر اور مسلم ورلڈ لیگ کی مشترکہ ٹیموں نے یہ اقدام پناہ گزینوں کی تکالیف کو دور کرنے اور انسانی بحرانوں کے حل کے لیے اقوام متحدہ کے تیز رفتار ردعمل کی سپورٹ میں مدد فراہم کرنے کے لیے عالمی سطح پر کی جانے والی کاوشوں کے جواب میں اٹھایا۔ سینٹر کو کوالٹی اور اچیومنٹ کے معیار پر عمل پیرا ہونے پر حکام کی جانب سے بہت سارے سرٹیفکیٹ ملے ہیں جن میں سب سے اہم سماجی دوری اور کورونا ایس او پیز پر عمل پیرا ہونا ہے۔

حج کیلئے بہترین انتظامات پر یوروپی یونین کا سعودی عرب کو خراجِ تحسین

یورپی یونین نے کورونا وبا کے ماحول میں کامیاب حج انتظامات اور ان میں خواتین کی بڑے پیمانے پر شرکت پر سعودی عرب کے اقدامات کو سراہا ہے۔ العربیہ نیٹ اور عاجل ویب سائٹ کے مطابق یورپی یونین کے ترجمان برائے مشرق وسطی وشمالی افریقہ لوئس میگل نے کہا کہ اس سال حج کے بہترین انتظام پر سعودی حکومت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ حج انتظام بہترین استعداد اور صلاحیت کے ساتھ کیے گئے۔ حجاج میں کورونا وائرس کا ایک کیس بھی ریکارڈ پر نہیں آیا جبکہ سعودی عرب نے ہنگامی حالات سے نمٹنے کیلئے تمام انتظامات کیے۔ یورپی یونین کے ترجمان نے حج انتظامات میں خواتین کو شریک کرنے پر سعودی عرب کو سراہا۔ سعودی خواتین نے سیکیورٹی امور میں منفرد طریقے سے حصہ لیا ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت چند باتیں

تحریر: بدر الاسلام
تلخیص: عبدالعزیز

اپنے خاندان میں، بالخصوص بچوں کے ساتھ ممکنہ حد تک زیادہ وقت گزارا جائے۔ اپنی معاشی جدوجہد و دیگر مصروفیات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ لازماً کچھ وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارا جاسکے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داری ہے، تربیت کا تمام تر بوجھ ماں پر ڈال دینا ایک مناسب اور غیر معقول طریقہ ہے۔ مدرسے میں بچوں کی مصروفیات، دوستوں کی صحبت وغیرہ سے واقفیت کیلئے ضروری ہے کہ والدین ان کے ساتھ روزانہ کچھ نہ کچھ وقت گزاریں۔

بچوں کی تعلیم کا ایک اہم دائرہ وہ تربیت ہے جو انھیں اپنے خاندان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس تربیت کا اہم ترین پہلو بچوں (اولاد) کے ساتھ والدین، بالخصوص ماں کے طرزِ عمل کے طرز عمل سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں چند اصولی نکات درج ذیل ہیں:

بنیادی دینی تعلیم: ابتدائی عمر ہی سے بچوں کو دین کی بنیادی تعلیمات سے واقف کرایا جائے۔ قرآن مجید کی تعلیم کا شعوری انتظام اور حلال اور حرام کے احکامات سے واقفیت فراہم کی جائے۔ سات سال کی عمر سے نماز کا، اور روزہ رکھنے کے قابل عمر کو پہنچنے پر روزے کا عادی بنایا جائے۔ بچوں کو بالکل ابتدا سے اللہ سے تقویٰ اور اس کے سامنے تمام کاموں (اعمال) کیلئے جواب دہ ہونے کا تصور پیدا کرنا، اور ان میں یہ احساس جگانا ضروری ہے کہ اللہ ہر وقت ان کی نگرانی کررہا ہے۔

اخلاقی تربیت: بچوں کو ابتدائی عمر سے ہی اعلیٰ اخلاق کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ بچپن کی عادتیں بڑے ہونے پر پختہ ہوتی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ بچپن ہی سے انھیں سچائی، امانت داری، بہادری، احسان، بزرگوں کی عزت، پڑوسیوں سے بہتر سلوک، دوستوں کے حقوق کی پاسداری اور مستحق لوگوں کی مدد جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا حامل بنایا جائے، پھر انھیں برے اخلاق مثلاً جھوٹ، چوری، گالی گلوچ اور بے راہ روی سے سختی سے بچایا جائے اوائل عمر سے ہی محنت ومشقت کا عادی بنایا جائے اور عیش کوشی و آرام پسندی سے دور رکھا جائے۔

- **جسمانی تربیت**: والدین کی طرف سے بچوں کی جسمانی نشو ونما، غذا اور آرام کا خیال رکھا جائے اور انھیں ورزش کا عادی بنایا جائے۔ جسمانی بیماریوں اور جائز ضروریات کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ چار بنیادی باتیں جن سے والدین کیلئے پرہیز کرنا لازم ہے:
- **تحقیر آمیز سلوک**: بچوں کی اصلاح وتربیت میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے صبر واستقامت کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔ بچوں کی اہانت یا تحقیر کرنے سے گریز کیا جائے۔
- **سزا میں بے اعتدالی**: بالکل سزا نہ دینا اور بہت زیادہ سزا دینا باتیں غلط ہیں۔ بچوں کے ساتھ محبت وشفقت اور نرمی کا برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور معقول حد تک سرزنش کا بھی ایک مقام ہے۔ ان دونوں رویوں میں اعتدال لازم ہے۔
- **بے جا لاڈ پیار**: بچوں کی ہر خواہش کو پورا کرنا، غیر ضروری لاڈ پیار انھیں ضدی اور خودسر بناتا ہے۔ اس میں اعتدال ضروری ہے۔
- بچوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینا: ایک ہی گھر میں دو بچوں یا لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا غیر اسلامی رویہ ہے، جس سے بہت سے نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہوکر انتہا پسندی اور انتقام پسندی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایسے مریضانہ رویے سے اجتناب لازم ہے۔

ان اصولی نکات کے علاوہ چند عملی اقدامات جن پر والدین آسانی سے عمل کر سکتے ہیں:

(۱) اپنے خاندان میں، بالخصوص بچوں کے ساتھ ممکنہ حد تک زیادہ وقت گزارا جائے۔ اپنی معاشی جدوجہد و دیگر مصروفیات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ لازماً کچھ وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارا جاسکے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داری ہے، تربیت کا تمام تر بوجھ ماں پر ڈال دینا ایک مناسب اور غیر معقول طریقہ ہے۔ مدرسے میں بچوں کی مصروفیات، دوستوں کی صحبت وغیرہ سے واقفیت کیلئے ضروری ہے کہ والدین ان کے ساتھ روزانہ کچھ نہ کچھ وقت گزاریں۔

(۲) بچوں کو سخت کوشی اور محنت کا عادی بنانے کیلئے انھیں ایک درمیانے معیار کی زندگی کا عادی بنایا جائے تاکہ وہ ایک عام انسان جیسی پُر مشقت زندگی کا تجربہ حاصل کرسکیں۔

(۳) اول تو جیب خرچ دینے سے بچا جائے اور بچوں کی ایسی ضروریات کو خود پورا کیا جائے اور اگر بچوں کو جیب خرچ دیا جائے تو پھر اسے ڈسپلن کا پابند بنایا جائے۔ بچوں سے اس رقم کا حساب بھی پوچھا جائے، تاکہ ان میں بچپن ہی سے کفایت شعاری، بچت اور غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کی عادت پروان چڑھ اور جواب دہی کا احساس پیدا ہو۔ والدین کی طرف سے اپنے بچوں کو آرام پہنچانے کی خواہش بجا ہے، مگر ابتدا سے بغیر محنت کے آرام طلب بنانا، ان کے مستقبل کے ساتھ سنگین مذاق ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ان کے کپڑوں اور جوتوں پر اخراجات میں اعتدال رکھنا ضروری ہے، کیونکہ تعلیمی ادارے میں مختلف معاشی وسماجی پس منظر رکھنے والے طلبا و طالبات ہوتے ہیں، اس طرح ان میں غیر مطلوب مقابلہ آرائی کو روکا جاسکتا ہے۔

(۴) ابتدا ہی سے بچوں سے خود انحصاری یعنی اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرایا جائے۔ اگر معاشی وسائل میں وسعت بھی حاصل ہو تب بھی بچوں کو اپنے کام کرنے یعنی جوتے صاف کرنے، کمرے کو ترتیب دینے کی عادت ڈالی جائے۔

(۵) والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ بچوں کو اپنے بزرگوں کی خدمت کی طرف متوجہ کرتے رہیں۔

(۶) بچوں کی مصروفیات اور ان کے دوستوں کو جاننا ضروری ہے۔ جرائم کا ارتکاب اور نشہ آور چیزوں کا استعمال غلط صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے بچے کے دوستوں پر گہری نظر رکھنا والدین کی لازمی ذمہ داری ہے۔

(۷) بچوں کے سامنے مدرسے یا اساتذہ یا دوسرے عزیزوں کی برائی نہ کی جائے۔ اگر جائز شکایت ہو تو متعلقہ ذمہ داران سے گفتگو کی جائے، مگر بچوں کے سامنے کبھی ان کے اساتذہ کی تحقیر نہیں ہونی چاہیئے۔ والدین اپنے بچوں کے اساتذہ کی عزت کریں گے تو بچے بھی اس کا اچھا اثر قبول کریں گے۔

(۸) اپنے بچوں کی غلطیوں اور جرائم کی صفائی نہیں پیش کرنی چاہیئے۔ بچوں کو غلطی کا احساس دلانا اور حسب موقع تادیب انھیں اصلاح کا موقع فراہم کرے گی اور وہ عدل، انصاف اور اعتدال کے تقاضوں سے واقف ہوں گے۔

(۹) ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے حوالہ سے متوازن رویہ اپنانا ضروری ہے۔ اس کیلئے والدین کو خود اپنے آپ کو نظم کا پابند بنانا ہوگا، تعلیمی اور معلوماتی پروگرام سے استفادہ اور اچھے تفریحی پروگراموں پر بچوں سے تبادلہ خیال کے ذریعے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہیئے۔ ٹی وی اور کمپیوٹر کو ایسی جگہ رکھنا چاہیئے، جہاں سب آتے جاتے ہوں تاکہ لغو اور غیر اخلاقی پروگرام دیکھنے کا امکان نہ رہے۔

(۱۰) ٹی وی اور کمپیوٹر کتابوں کا نعم البدل نہیں بن سکتے۔ اچھی کتب اور رسالے، بچوں کی شخصیت سازی میں غیر معمولی کردار ادا کرتے ہیں، اپنے بچوں میں مطالعے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ والدین انھیں اچھی کتابیں اور رسائل فراہم کریں اور ان کیلئے ذاتی لائبریری بنائیں، ان کے نصاب کے مطالعے اور دیگر کتب کے مطالعے پر نظر رکھیں۔ خود بچوں کو ترغیب دیں کہ وہ اپنے جیب خرچ سے رقم پس انداز کرکے کتابیں خریدیں۔

(۱۱) بچوں میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جائے، تاکہ ملک وملت اور انسانیت کو ان کی ذات سے فائدہ ہو۔ موجودہ دور میں ہر شخص اپنے حقوق کے بارے میں بہت حساس ہے مگر اپنے فرائض کی ادائیگی کے بارے میں انجان بن جاتا ہے، اس رویے کو تعلیمی عمل کے دوران ہی تبدیل کرنا ہوگا۔

(۱۲) بچوں میں عوامی املاک کی حفاظت کا احساس پیدا کرنا چاہیئے۔ ملک میں پارک، عوامی ٹرانسپورٹ، راستوں اور سرکاری عمارتوں وغیرہ کا حال سب کے سامنے ہے۔ ہر کوئی اس کے نقصان پر تلا ہوا ہے۔ (پارک میں کھیلنے کا سامان بچوں کی نشانہ بازی کی مشق کا ہدف قرار پاتی ہیں)۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ معاشرے میں قومی جائداد کا تصور بیدار نہیں ہے۔ اسلام ان املاک کے بارے میں امانت دار ہونے اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور دے کر اس کی حفاظت کراتا ہے۔

(۱۳) بچوں میں سماجی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا احساس پیدا کرنا چاہیئے۔ اسکول کی فیس ہو، میونسپل ٹیکس ہو یا انکم ٹیکس، اس ضمن میں والدین اپنے عمل سے بچوں کیلئے نمونہ پیش کریں اور انھیں عوامی واجبات کو بروقت ادا کرنے کی تلقین کی جائے۔

(۱۴) گھر میں ایک بہتر ماحول قائم کیا جائے۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ وہ بالخصوص بچوں کے سامنے غصے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں۔ خاندان کے بڑوں میں باہم میل جول، ایک دوسرے کی قدر ومنزلت اور احترام بچوں پر خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

(۱۵) قول وفعل میں تضاد سے پرہیز لازم ہے، بچے اپنے بڑوں کے اعمال سے غیر محسوس طریقے سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ماں باپ اور دیگر بڑوں کا طرزِ عمل بچوں کی شخصیت کو بناتا ہے۔ والدین کو سچائی، امانت داری وغیرہ کے حوالے سے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور بظاہر نقصان ہی ہوتا نظر آرہا ہو، اپنے عمل کو درست رکھنا چاہیئے۔

(۱۶) والدین عموماً اپنے بچوں سے اونچی توقعات وابستہ کرتے ہیں، مگر جب وہ اس معیار پر پورے نہیں اترتے تو والدین مایوس ہوجاتے ہیں اور بچوں سے ناراض ہوکر جھنجلاہٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح والدین اور بچے دونوں احساسِ کمتری اور چڑچڑے پن کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ نامناسب رویہ ہے۔ بچوں کو ملنے والی کامیابی پر انھیں حوصلہ دینا اور مناسب انعام سے نوازنا چاہیئے۔ بچوں سے توقعات وابستہ کرتے وقت ان کی صلاحیت، دلچسپی اور کمزوریوں کو بھی دھیان میں رکھنا چاہیئے۔ والدین کو اپنی خواہشات بچوں پر تھوپنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۱۷) ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنانے کی تربیت دینی چاہیئے۔ زندگی میں ہر فرد کو کسی نہ کسی بحران سے مقابلہ درپیش رہتا ہے، اس لئے نامطلوب حا سے مقابلہ کرنے کیلئے بچوں کی ذہن سازی ضروری ہے۔ انھیں مسائل سے فرار کے بجائے ان سے نبرد آزما ہونے کی تربیت دینی چاہیئے۔ عزم محکم، عمل پیہم اور سخت محنت کامیابی کی شرائط ہیں۔ مشکلات کی صورت میں حسب موقع بچوں سے مشاورت بھی ان کی تربیت اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

(۱۸) بچوں کو اپنی زندگی کے مقصد کا شعور دیا جائے۔ مقصد زندگی کا واضح تصور انھیں دنیا میں اپنا مقام متعین کرنے میں مدد دے گا۔ مستقبل کیلئے بلند عزائم اور ان عزائم کی تکمیل کیلئے بچوں میں شوق، محنت اور جستجو کے جذبات پیدا کرنے میں والدین کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔

(۱۹) بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین تدریج سے کام لیں، ان کی اصلاح سے مایوس نہ ہوں۔

(۲۰) بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے واقف کرانا اور اسوۂ رسولؐ کی پیروی کو جزو ایمان بنانا، اسی طرح سلف صالحین کی زندگیاں مشعل راہ کے طور پر بچوں کے سامنے لانا ضروری ہے۔

(۲۱) گھر میں مطالعے کا وقت متعین کرکے، والدین اپنی نگرانی میں تعلیمی ادارے کا کام کرواتے ہوئے بچوں کی ترقی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

(۲۲) وقت کی تنظیم اور قدر والدین خود بھی کریں اور بچوں کو ابتدا سے ہی وقت کے صحیح استعمال کی عادت ڈالیں۔ وقت کا ضیاع ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس قیمتی دولت کا بہترین استعمال کامیابی کی کلید ہے۔

(۲۳) تعلیم وتربیت پر خرچ مستقبل کی سرمایہ کاری ہے۔ موجودہ دور کے نہایت مہنگے تعلیمی اخراجات کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ ہر خاندان اپنی ماہانہ آمدنی کا ایک مقررہ حصہ اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کرے۔ اگر بچے چھوٹی جماعتوں میں ہوں تو اس بچی ہوئی رقم کو پس انداز کرکے آئندہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔□□

غیر ازدواجی تعلقات اور نوجوانوں کی روز افزوں بے راہ روی

تحریر: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

چند یوم قبل ایک عزیز کے گھر دوست احباب کی مختصر سی تقریب میں شرکت کا اتفاق ہوا، چوں کہ وقفے وقفے سے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا؛ اس لیے عشائیے میں کافی وقت درکار تھا۔ میں نے موقع پا کر پاس بیٹھے ایک نوجوان سے گفتگو کا آغاز کیا، علیک سلیک اور ابتدائی تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حیدرآباد ہی کی کسی بڑی کمپنی میں برسر روزگار ہے اور ویب ڈیزائننگ کے کام میں اچھی خاصی مہارت رکھتا ہے، تھوڑی دیر کی رسمی گفتگو اور اپنے اپنے کام سے متعلق وضاحت بالخصوص تحفظ شریعت ٹرسٹ (جس سے راقم السطور منسلک ہے) کے تعارف کے بعد وہ نوجوان قدرے بے تکلفانہ انداز میں کہنے لگا کہ آپ ماشاء اللہ تحفظ شریعت کی خدمت سے وابستہ ہیں اور نوجوانوں کے لیے مختلف ورک شاپ بھی منعقد کرتے ہیں نیز آپ کا مقصد بھی نوجوان نسل میں دین وشریعت سے متعلق شعور بیداری ہے؛ اس لیے میں ایک نہایت حساس مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں، جس پر مستقل کام کرنے اور نئی نسل کو اس سلسلے میں آگاہی دینے کی ضرورت ہے۔ پھر اس نے ملک کے مشہور تعلیمی وتجارتی شہر، ممبئی، دلی، بنگلور، حیدرآباد کے متعدد مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے حوالے سے ایسا چونکا دینے والا انکشاف کیا کہ میں دم بہ خود رہ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ پچھلے چند سالوں سے نوجوان لڑکے لڑکیوں کا بلاتفریق مذہب یکجا قیام کرنے اور بہ وقت ضرورت جنسی تعلق قائم کرنے پھر کچھ عرصے بعد علاحدہ ہوجانے کا رجحان بہت تیزی سے فروغ پا رہا ہے، خود میں جس کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں وہاں ایسے متعدد مسلم نوجوان ہیں جو اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

نوجوان کے مطابق کہ اس تعلق کو جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، انگریزی زبان میں 'لائیو اِن ریلیشن' کہا جاتا ہے، یعنی مرد اور عورت کا ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنا، جو عارضی اور چند روزہ بھی ہوسکتا ہے اور اس میں پائیداری بھی ممکن ہے، اس عرصے میں ان کے درمیان جنسی تعلق بھی قائم رہتا ہے؛ لیکن میاں بیوی کی طرح رہنے کے باوجود ان کے درمیان نکاح کا معاہدہ نہیں ہوتا، جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ جب چاہے علاحدگی اختیار کرلے۔ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھی کے تعلق سے ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رہتا ہے اور اس پر کوئی قانونی بندش نہیں ہوتی۔

اس ملاقات کے چند روز بعد ابھی ہفتہ عشرہ قبل پڑوس ملک کے ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والی لڑکی، نوبل انعام یافتہ ملالہ یوسف زئی کا متنازع بیان انٹرنیشنل میڈیا پر کئی دن تک بحث کا موضوع رہا، جس میں ملالہ نے کہا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ لوگوں کو شادی کیوں کرنا پڑتی ہے؟ اگر آپ زندگی میں ایک شخص کو چاہتے ہیں تو آپ کو شادی کے کاغذات پر دستخط کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر کیوں یہ صرف ایک پارٹنرشپ نہیں ہوسکتی؟

یہ حقیقت ہے کہ یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد عورت کو کسی حد معاشی استقلال تو حاصل ہوگیا؛ لیکن خاندانی نظام پر اس کے خطرناک اثرات مرتب ہوئے۔ تربیت کے بغیر اعلیٰ عصری تعلیم کے بعد عورت جب مرد کی کفالت اور مالی اعانت سے بے نیاز ہوگئی تو پھر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جو عورت خود کمائے وہ مرد کی خدمت کیوں کرے؟ گھر کی ذمہ داریاں کیوں سنبھالے؟ برطانیہ کی نیشنل ویمنز کونسل کی ایک خاتون رکن کا کہنا ہے کہ یہاں یہ خیال مضبوط ہوتا جارہا ہے کہ شادی کر کے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے بس زندگی کے مزے اڑا لیے جائیں۔ بہت سی خواتین یہ فیصلہ کرچکی ہیں کہ ان کی بقا کے لیے مردوں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ (ملخص از نکاح کے انسانی زندگی پر اثرات)

ایک طرف مرد وزن کے مابین تعلقات کا یہ غیر فطری رجحان ہے جو نئی نسل میں تیزی کے ساتھ پنپتا جارہا ہے اور دوسری طرف اسلام کا پیش کردہ پاکیزہ فطری نظام ہے جو ہر اعتبار سے واضح، مکمل اور معاشرتی حقوق کا محافظ ہے؛ جس کا غیروں نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور اعداد وشمار اس کی گواہی دے رہے ہیں: برٹلن کے ترتیب دیئے ہوئے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کی نسبت غیر شادی شدہ انسان کہیں زیادہ خودکشی کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ اکثر شادی شدہ افراد کی دماغی اور اخلاقی حالت نہایت متوازن اور ٹھوس ہوتی ہے، ان کی زندگی میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ نیز جیسا کج رو اور سوداوی مزاج بہت سارے بن بیاہے نوجوانوں کا ہوتا ہے، شادی شدہ جوڑوں میں اُس طرح نہیں پایا جاتا۔ نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ خواتین ہر چند کہ بچہ جننے، ماں بننے اور خانہ داری اور ازدواجی زندگی جیسی بے شمار ذمہ داریوں میں گھری ہوتی ہیں، پھر بھی دوسری غیر شادی شدہ عورتوں کے مقابلہ میں ان کی عمریں خاصی طویل ہوتی ہیں اور وہ ان کے مقابلہ میں زیادہ مطمئن اور خوش ہوتی ہیں۔

اسلام کا تصور نکاح

دیگر ادیان و مذاہب کے بالمقابل اسلام میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے اور اسلام نے اس حوالے سے جو معتدل فکر اور متوازن نظریہ پیش کیا ہے وہ نہایت جامع اور بے نظیر ہے۔ اسلام کی نظر میں نکاح محض انسانی خواہشات کی تکمیل اور فطری جذبات کی تسکین کا نام نہیں؛ بلکہ یہ نام ونسب کی حفاظت کے ساتھ فروغ نسل انسانی اور مستحکم خاندانی نظام سے عبارت ہے۔ انسان کی جس طرح بہت ساری فطری ضروریات ہیں اسی طرح جنسی عمل بھی انسان کی ایک اہم فطری ضرورت ہے؛ جسے اسلام نے معقول اور مہذب طریقے سے پورا کرنے کی نہ صرف اجازت وترغیب دی ہے؛ بل کہ نکاح کو آسان بنا کر پیش کیا ہے۔ اسلام کے علاوہ باقی مذاہب (چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی) میں عورت اور مرد کے ازدواجی تعلقات کو بہت حد تک اخلاقی و روحانی ترقی کے لیے مانع تسلیم کیا گیا ہے؛ بل کہ مغرب نے تو آزادیٔ نسواں کے پر فریب نعرے کے ذریعہ سرعام اس کی عزت و عصمت کو نیلام کیا ہے۔ دنیا کے مختلف مذاہب نے شادی بیاہ کے بارے میں جو مختلف نظریات پیش کیے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

یہودی معاشرے نے نکاح کو سوشل کنٹریکٹ قرار دیا کہ جب چاہے توڑ دیا جائے۔ ہندومت نے اسے اٹوٹ قرار دے کر اس میں مظلومیت کا عنصر شامل کر دیا اور عیسائیت نے تو نکاح اور ازدواجی زندگی سے الگ رہنے اور رہبانیت و تجرد کی زندگی اختیار کرنے کو ہی اعلیٰ اخلاق کا ذریعہ اور روحانیت کی معراج قرار دے کر اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے؛ مگر اسلام نے نکاح کو انبیاء کرام کی سنت، اہم ترین عبادت اور تکمیل ایمان کا سبب بتلایا ہے کہ نکاح ہی اخلاق و کردار، عزت و ناموس اور حیا و پاک دامنی کا ذریعہ ہے۔ جو آدمی نکاح کرلیتا ہے، وہ ایک قلعہ میں محصور ہوکر بے حیائی، بداخلاقی، بے راہ روی اور بدنگاہی جیسی مذموم عادات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو کوئی حقوق زوجیت پر قادر ہو تو وہ شادی کرلے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح سے حاصل ہونے والے دو اہم فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کیونکہ اس سے نگاہ اور عصمت دونوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

المختصر: اسلام نے ازدواجی زندگی کے متعلق صاف ستھرا اور قابلِ عمل تصور پیش کیا جو بے شمار دینی و دنیوی فائدوں کا حامل ہے، مثلاً معاشرتی فائدے، خاندانی فائدے، اخلاقی فائدے، سماجی فائدے، نفسیاتی فائدے وغیرہ۔ اس طرح ان گنت فائدوں اور خوبیوں کا دوسرا نام نکاح ہے۔

اسلام میں زنا کی مذمت:

قرآن مجید میں جہاں نکاح کی اہمیت اجاگر کی گئی، وہیں مختلف مقامات پر زنا کاری کی مذمت بیان کی گئی؛ بل کہ مقدمات زنا پر بھی قدغن لگائی گئی، مردوں اور عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے نگاہ نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی تاکید کی گئی، دوسروں کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینے کو ضروری قرار دیا گیا، پردے اور حجاب سے متعلق تفصیلی احکام اتارے گئے نیز سورۃ الاسراء میں پہلے زنا سے منع فرمایا گیا، اس کے بعد قتل ناحق سے روکا گیا، جس کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ قتل ناحق ہے، زنا اس کے بعد ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس آیت میں زنا کا ذکر قتل سے پہلے کیا گیا ہے، اس کی حکمت اور وجہ یہ ہے کہ جس سماج میں زنا کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس میں قتل وخون کی واردات عام ہوتی چلی جاتی ہے، زنا سے قتل کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، اسی لئے زنا کو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ (التفسیر الکبیر) اسی طرح قرآن میں زنا اور اولاد کے قتل کا ایک ساتھ بھی ذکر آیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد معاشرے میں جس طرح ذلیل و بے مایہ ہوتی ہے وہ کسی موت سے کم نہیں ہے۔ نیز زنا سے ہونے والے حمل بدنامی اور طعن وتشنیع وغیرہ کے خوف سے عام طور پر ساقط کردیے جاتے ہیں اس طرح ہر سال لاکھوں کلیاں کھلنے سے پہلے ہی مسل دی جاتی ہیں۔

اسلام میں زنا کی شناعت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ زنا کار کو ایمان کے نور وکیف سے محروم قرار دیا گیا، اس کی دعاؤں کو نامقبول بتایا گیا، زنا کے نتیجے میں جو اجتماعی وانفرادی مصائب اور مشکلات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ذکر کر کے اس عمل کی زہرناکی کو اجاگر کیا گیا۔

وبائی امراض کی ایک وجہ

جس قوم یا سماج میں بدکاری کی وبا پھیل جاتی ہے وہ سماج عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی علاقے میں سودخوری اور زنا کاری عام ہوجاتی ہے تو اللہ کا عذاب آنے کے قریب ہوجاتا ہے۔ (المستدرک)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں: میری امت اس وقت تک خیر پر قائم رہے گی جب تک کہ اس میں ولد الزنا کی کثرت نہ ہو اور جب امت میں ولد الزنا کی کثرت ہوجائے گی تو قریب ہے کہ اللہ سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔ (مجمع الزوائد)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ارشاد فرمایا: اے گروہِ مہاجرین! جس قوم میں علانیہ زنا کاری عام ہوجاتی ہے اس میں طاعون اور ایسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں جو پچھلی امتوں میں نہ تھے۔ (ابن ماجہ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبات میں ملتا ہے: جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس معاشرہ میں زنا عام ہوجائے، ناجائز اولاد کی کثرت ہونے لگے وہ معاشرہ عذابِ الٰہی کے نشانے پر آجاتا ہے، پھر عذاب کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوتا ہے، طوفان وسیلاب ہو، زلزلہ ہو، رزق سے محرومی ہو، وبائی امراض ہوں یہ سب اسی عذاب کے مظاہر ہیں۔ موجودہ دور میں ہر جگہ جو خطرناک وبائی امراض پھیلے ہوئے ہیں، کیا بعید ہے کہ وہ سب انہی فواحش کا خمیازہ ہو جسے پوری انسانیت بھگت رہی ہو۔ □□

ایک طرف مرد و زن کے مابین تعلقات کا یہ غیر فطری رجحان ھے جونئی نسل میں تیزی کے ساتھ پنپتا جارھاھے اور دوسری طرف اسلام کا پیش کردہ پاکیزہ فطری نظام ھے جو ھر اعتبار سے واضح، مکمل اور معاشرتی حقوق کا محافظ ھے؛ جس کا غیروں نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیاھے اور اعداد وشمار اس کی گواھی دے رھے ھیں: برٹلن کے ترتیب دیئے ھوئے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ھے که شادی شدہ جوڑوں کی نسبت غیر شادی شدہ انسان کھیں زیادہ خودکشی کے مرتکب ھوتے ھیں۔

عالمی خبریں

یوروپ میں الیکٹرک گاڑیوں کی طلب میں زبردست اضافہ

یوروپین آٹو موبائل مینوفیکچرز ایسوی ایشن (اے سی ای اے) کا کہنا ہے کہ دوسری سہ ماہی میں یورپ میں نئی گاڑیوں کی فروخت میں الیکٹرک گاڑیوں کا شیئر دگنے سے بھی زیادہ ہے جبکہ ہائبرڈ کو بھی فائدہ ہوا ہے۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق اے سی ای اے نے بتایا کہ رواں سال اپریل سے جون تک یوروپ میں نئی گاڑیوں کی فروخت میں تمام الیکٹرک گاڑیوں کا حصہ ۵ء۷ فیصد رہا جو گذشتہ سال ۵ء۳ فیصد تھا۔ پورے یوروپ میں بیٹری الیکٹرک گاڑیوں کی فروخت تین گنا سے بڑھ کر ۲۱۰۲۹۸ تک پہنچ گئی ہے۔ اے سی ای اے نے کہا کہ خطے کی چار اعلیٰ مارکیٹوں میں خاطر خواہ فائدہ ہوا جس کی وجہ اسپین اور جرمنی میں چار گنا زیادہ فروخت ہوئی۔ 'پلگ ان ہائبرڈ الیکٹرک گاڑیاں ۲۰۲۱ء کی دوسری سہ ماہی اس سے بھی زیادہ متاثر کن تھی، جس میں رجسٹریشن ۸ء۲۵۵ فیصد اضافے کے ساتھ ۲۳۰۲۳۵ یونٹ تک پہنچ گئی ہے۔ ہائبرڈ کی فروخت بھی تین گنا بڑھ کر ۱۶۲۵۴۱ گاڑیوں تک پہنچ گئی ہے۔

ذہنی صحت پر کورونا کے طویل المدت اثرات، ڈبلیو ایچ او کی تنبیہ

عالمی ادارہ صحت کا کہنا ہے کہ وبا کی وجہ سے ذہنی صحت پر پڑنے والے اثرات طویل المدت اور دیرپا ہوں گے۔ ڈبلیو ایچ او کا بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب ماہرین کورونا سے متعلق دباؤ اور تناؤ سے متعلق ضروری اقدامات کی جانب توجہ دلا چکے ہیں۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق ڈبلیو ایچ او نے وائرس کے پھیلاؤ، لاک ڈاؤن کے نفسیاتی اثرات، قرنطینہ سے متعلق تناؤ، بیروزگاری، معاشی خدشات اور سماجی تنہائی کے پیدا کردہ دباؤ کو ذہنی صحت سے متعلق بحران کے اہم اسباب قرار دیا ہے۔ بیان کے مطابق وبا کی وجہ سے ذہنی صحت پر پڑنے والے اثرات طویل المعیاد ہوں گے۔ یوروپ کے لیے ڈبلیو ایچ او کے ریجنل ڈائریکٹر ہنس کلوگی نے وائرس سے متاثرہ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ذہنی صحت کو 'بنیادی انسانی حق' تسلیم کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے کانفرنس کو بتایا کہ وبا نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ 'دنیا بھر میں ۴۰ لاکھ سے زائد اموات ہوئی ہیں، زندگی گزارنے کے اسباب تباہ ہوئے، خاندان اور برادریاں جدا ہوئیں، کاروبار دیوالیہ ہوئے اور لوگ مواقع سے محروم ہوئے ہیں۔

امریکہ شرائط پوری کرے تو ترکی کابل ایئرپورٹ کا انتظام سنبھال لے گا: اردغان

ترکی کے صدر رجب طیب اردوغان نے کہا ہے کہ اگر ہمارا نیٹو اتحادی امریکا کچھ شرائط پوری کرے تو ترکی کابل ایئرپورٹ کا انتظام سنبھال سکتا ہے۔ عرب نیوز کے مطابق منگل کے روز شمالی سائپرس سے ایک ٹیلی وژن خطاب کے دوران ترک صدر طیب اردوغان نے صحافیوں کو بتایا کہ ہم اس وقت امریکی افواج کے افغانستان سے انخلا کے بعد کابل ایئرپورٹ کا انتظام سنبھالنے کے بارے میں مثبت رخ میں سوچ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ 'لیکن امریکا کو کچھ شرائط پوری کرنا ہوں گی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ امریکا سفارتی تعلقات میں ہمارا ساتھ دے۔ دوسرے وہ اپنے لاجسٹک وسائل کو ہماری جانب پھیر دے اور یہ کہ کابل ایئرپورٹ کو چلانے میں سنجیدہ نوعیت کی مالی اور انتظامی پیچیدگیاں ہوسکتی ہیں، امریکا کو چاہیے کہ اس سلسلے میں ہماری ضروری معاونت کرے۔

خلع اسلام کا ایک عادلانہ نظام

تحریر: مولانا ندیم احمد انصاری

دینِ اسلام کی رو سے نکاح ایک ایسا پاکیزہ رشتہ ہے، جسے ایک بار قائم ہونے کے بعد ہمیشہ باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا لازم وضروری قرار دیا گیا ہے۔ تفریقِ زوجین خواہ کسی طریقے سے ہو، اسلام میں شدید ضرورت کے تحت مشروع ہے اور اگر زوجین میں ناچاقی اس حد تک بڑھ جائے کہ تفریق کا اندیشہ ہونے لگے، اس سے قبل باہم مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی ہدایت قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کے باوجود اسلامی نظامِ طلاق و خلع وغیرہ پر جو چوطرفہ چے می گوئیاں کی جاتی ہیں، انتہائی نامناسب اور اعتدال سے پرے ہیں۔ اسی کے پیشِ نظر راقم الحروف نے 'خلع کا نظام' کے عنوان سے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک مدلل و محقق کتاب تصنیف کی ہے، جس کے چند اقتباسات افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ قارئین کیے جارہے ہیں۔

پورے معاشرے کی ذمّہ داری

ارشادِ ربانی ہے: اور اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کروانے کے لیے) ایک منصف، مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف، عورت کے خاندان میں سے بھیج دو، اگر وہ دونوں (منصف) اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں (شوہر و بیوی) کے درمیان اتفاق پیدا فرما دے گا، بے شک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔ [النساء]

اس آیت میں خطاب عام امتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہلِ حل وعقد کو بدرجہ اولیٰ بینھما یعنی میاں بیوی کے درمیان، 'شقاق' یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ امت اور افرادِ امت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے، افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ 'ان خفتم' خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ 'فابعثوا' یعنی تصفیے کی غرض سے ان دو حکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاقم طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کاروائی کی نوبت آجائے، بلکہ پہلے یہ کوشش مصالحت ومفاہمت کی کرلی جائے۔ رشتۂ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جاسکتی۔ فقیہِ تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے اگر زوجین حکام سے رجوع کریں، اور دوسروں کے لیے مستحب ہے۔ اور من اهله واهلها کی قید سب کے لیے مستحب ہے۔ (تفسیرِ ماجدی)

خلع کے اصطلاحی معنی

شریعت کی اصطلاح میں خلع کے معنی ہیں 'ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظِ خلع کے ساتھ زائل کرنا' یا ملکیتِ نکاح ختم کرنے کے لیے لفظِ خلع کے ساتھ اپنی بیوی سے مال لینا، جس کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف اس حد تک پہنچ جائے کہ دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کے لیے جائز ہے کہ مہر معاف کر کے یا کچھ مال وغیرہ دے کر اس سے نجات حاصل کر لے۔ جیسے اپنے شوہر سے یوں کہے کہ اتنا روپیہ لے کر یا جو مہر تمھارے ذمّے ہے اس کے عوض مجھے خلع دے دو اور اس کے جواب میں شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا، تو اس سے عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔ (مرقاۃ)

اسلام میں اولین خلع

امام ابن جریر نے حضرت عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا، خلع کی اصل کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں پہلا خلع عبداللہ بن ابی کی بہن کا تھا، وہ رسول اللہؐ کے پاس آئیں اور (اپنے شوہر کے متعلق) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا سر اور ان کا سر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے پردہ اٹھایا تو میں نے انھیں مَردوں کے ایک گروہ میں آتے ہوئے دیکھا، وہ تمام لوگوں سے زیادہ سیاہ اور کوتاہ قد اور بدصورت تھے۔ انھوں نے آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے (بہ طور مہر) اپنا بہترین مال دیا تھا یعنی اپنا باغ، کیا یہ وہ باغ واپس کریں گی؟ رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا: تم کیا کہتی ہو؟ انھوں نے کہا: وہ باغ بھی واپس کر دوں گی اور اگر چاہیں تو کچھ زیادہ بھی دے دوں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کروادی۔

خدائی ضابطے

ارشادِ ربانی ہے: تمھارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ بیبیوں کو چھوڑنے کے وقت ان سے کچھ بھی لو گو وہ لیا ہوا اس مال میں سے کیوں نہ ہو جو تم ہی نے ان کو مہر میں دیا تھا، مگر ایک صورت میں البتہ حلال ہے، وہ یہ کہ کوئی میاں بی بی ایسے ہوں کہ دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو جو دربارۂ ادائے حقوقِ زوجیت ہیں قائم نہ کرسکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو یعنی میاں بی بی کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے میں، جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے بہ شرط یہ کہ مہر سے زیادہ نہ ہو، یہ سب احکام خدائی ضابطے ہیں، سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے، سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

اسلام کی رحمت و شفقت

اس آیت میں شرعی عذر کی بنا پر خلع لینے والی عورتوں کے لیے 'لا جناح' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے انھیں سماج کے طعنوں سے نجات دے دی اور پندرہ سو سال قبل انھیں وہ حق فراہم کیا جو بعض قوموں میں آج تک حاصل نہیں کہ جب ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہو سکے تو شوہر کو فدیے پر راضی کر کے خلاصی حاصل کر لی جائے۔ (تفسیر المنار)

افسوس کہ اس کے بعد بھی نظامِ اسلام میں ترمیم کی رائیں دی جاتی ہیں۔

طلاق علی المال کی دو صورتیں

عورت سے مال ٹھہرا کر چھوڑنا، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک خلع، دوسرا طلاق علی المال۔ خلع یہ ہے کہ عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کر لے اور مرد کہے مجھ کو منظور ہے۔ اس کے کہتے ہی گو لفظِ طلاق نہ کہے، طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اسی قدر مال عورت کے ذمّے واجب ہو جائے گا۔ طلاق علیٰ مال یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر منظور کر لے تو منظور کرتے ہی طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمّے ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔

عورتوں کا استحصال

شریعتِ اسلامی اور اس کے مزاج سے صحیح واقفیت نہ رکھنے والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فدیے کے بدلے میں عورت کو رشتۂ ازدواج سے آزاد کرنا عورتوں کا استحصال کرنا ہے، جب کہ خلع عورتوں کے حق میں ایسی بڑی نعمت ہے جس پر جتنا غور کیا جائے، اس کی معنویت کا اندازہ ہوتا چلا جائے گا۔ تھوڑے بہت فدیے کے عوض بھی کسی انسان کو ظلم سے نجات مل جائے، اس کے حق میں اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ جب کہ علمائے اسلام نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے تھوڑا مال لینا بھی ہرگز درست و جائز نہیں۔ علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے اکراہ و زبردستی کے ساتھ تکلیف پہنچانے کی غرض سے مال لینا، تاکہ وہ اسے کچھ دے کر اس سے علاحدگی حاصل کر لے، حرام ہے، خواہ وہ جَو کے ایک دانے کے برابر ہو یا اس سے زیادہ۔ (تفسیرِ طبری)

خدائی ضابطوں کا لحاظ

یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح وفراق کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ارشاد فرمایا ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ - یہ خدائی ضابطے ہیں، سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے، سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (البقرۃ) جس طرح روزے کی تحریمات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: 'تلك حدود الله، فلا تقربوها'، اور حدود کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے، ان میں سے ایک وہ حدود الامر ہیں، جن کی پیروی لازم ہے اور دوسری حدود النہی ہیں، جن سے اجتناب لازم ہے۔ اس کے بعد خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ومن يتعد حدود الله فأولٰئك هم الظالمون۔ جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے، سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (القرطبی) اللہ تعالیٰ ہم سب کو مکمل نظامِ اسلام کو سمجھنے اور اسے اپنی زندگیوں میں اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔ □□

عورت سے مال ٹھہرا کر چھوڑنا، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک خلع، دوسرا طلاق علی المال۔ خلع یہ ہے کہ عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کر لے اور مرد کہے مجھ کو منظور ہے۔ اس کے کہتے ہی گو لفظِ طلاق نہ کہے، طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اسی قدر مال عورت کے ذمّے واجب ہو جائے گا۔ طلاق علیٰ مال یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر منظور کر لے تو منظور کرتے ہی طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمّے ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔

بچّوں کا گوشہ

ماں سے ناراضی کے بعد (۱)

شاہد کو گھر سے نکلے ہوئے دو دن ہو چکے تھے، پورے گھر میں کُہرام مچا تھا، اس کے والدین نے آس پڑوس کے رشتہ داروں ہی نہیں دور دراز جگہوں پہ رہنے والے اپنے قریبی لوگوں سے بھی پتہ کیا لیکن شاہد کا کہیں پتہ نہیں چل پا رہا تھا، جبکہ وہ اپنے بہت قریبی رشتہ دار کے یہاں ہی ٹھہرا ہوا تھا، اُس کے ابو کی کال تو وہاں بھی آئی لیکن ان لوگوں نے چاہ کر بھی کچھ نہیں بتایا، وجہ یہ تھی کہ شاہد جب بیوقت اچانک وہاں پہ آیا تھا تو اس نے آتے ہی گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ: دیکھیے میں گھر سے بغیر کچھ بتائے بھاگ کر آیا ہوں لیکن پہلی بات کیوں آیا ہوں؟ یہ مت پوچھیے گا دوسری بات بھول کر بھی میرے والدین کو مت یہ بتائیے گا کہ میں آپ کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں، چاہے جو بھی ہو جائے ورنہ میں یہاں سے بھی نکل کر ایسی جگہ بھاگ جاؤں گا جہاں سے پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا اور کبھی آپ لوگ میرا چہرہ نہیں دیکھ پائیں گے۔ کچی عمر کے بچے چونکہ عمومی طور پر اپنے غلط فیصلے کے تعلق سے بھی بہت جذباتی ہوتے ہیں اس لیے اس کے رشتہ دار نے یہ گمان کیا کہ بروقت کسی طرح کی کوئی تنبیہ یا سختی شاہد کے لیے نقصاندہ ثابت ہوسکتی ہے اسی خیال سے انہوں نے دل پہ پتھر رکھ کر شاہد کی دونوں شرطیں قبول کرلیں اور کہا: بیٹا! اس گھر کو تم اپنا ہی گھر سمجھو، جتنے دنوں تک جی چاہے رہو، ہمیں کوئی دقت نہیں، امید کے برخلاف جواب سن کر شاہد کو اندر سے مضبوطی کا احساس ہوا اور اس نے دل ہی دل یہ سوچا کہ بہت ابو پھٹکار لگاتے تھے نا؟ اور امی بھی ان کا سپورٹ کرتی تھی نا؟ ٹھیک ہے اب ان کو پتہ لگے گا۔

جب شاہد کو غائب ہوئے پانچ چھ دن کا عرصہ بیت گیا تو اس کے والد کو اندر سے بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی، طرح طرح کے وسوسے ذہن میں گردش کرنے لگے تو انہوں نے مجبور ہو کر قریبی تھانہ میں ہی بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی، اخبارات میں فوٹو کے ساتھ اشتہار دیا تاکہ کسی طرح ان کا بیٹا انہیں مل جائے، شاہد جہاں رُکا ہوا تھا وہاں کے لوگوں نے بھی اخبار دیکھ کر اندر سے سخت بے چینی محسوس کی، شاہد کو دکھا کر اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی اور اس کے والدین کی بڑھتی ہوئی بیقراری کا احساس دلایا لیکن شاہد تو گویا اندر سے پتھر ہو چکا تھا وہ کسی بھی طور پر اپنے گھر نہیں جانا چاہتا تھا اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ دیکھئے اس طرح اگر آپ لوگ مجھے سمجھانے اور گیان پلانے کی کوشش کیجیے گا تو میں یہاں سے بھی چلا جاؤں گا یہ سن کر سبھی لوگ اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے، چونکہ وہ لوگ خود بھی بال بچوں والے تھے اسی لیے شاہد کے والدین کی بیچارگی کو شدت سے محسوس کر رہے تھے اور بار بار ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے والدین کو کسی طرح خبر کردے لیکن شاہد کے تیور کو دیکھ وہ لوگ سہم اُٹھتے تھے کہ بچہ ہے، بلوغت کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے قدم کہیں پھسل گئے اور خدانخواستہ اس نے کوئی خطرناک فیصلہ لے لیا تو بہت بُرا ہوگا ان ہی خیالات کے سبب وہ خود کو بہت اندر سے کمزور محسوس کر رہے تھے۔

گوشۂ خواتین

آج خواتین کیلئے خوداعتمادی کیوں ضروری؟ (۱)

ہم تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے عزم وحوصلے اور طاقت وبہادری کے ناقابلِ فراموش کام انجام دئے ہیں۔ رضیہ سلطان، چاند بی بی، مہارانی لکشمی بائی، بیگم حضرت محل، اہلیہ بائی، رانی درگاوتی، نواب شاہ جہاں بیگم اور سلطان جہاں بیگم وغیرہ تو اسکی بڑی مثالیں ہیں لیکن اِن کے علاوہ بھی ایسی کتنی ہی خواتین ہیں جنہوں نے ناموافق حالات کے باوجود تاریخ پر اپنے نقوش ثبت کئے ہیں۔

آزادی کے بعد کی جمہوری آب وہوا میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خواتین کا ہندوستانی معاشرہ میں کردار اور مستحکم ہوتا، اُنہیں سیاسی وسماجی میدانوں میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے لیکن جمہوری نظام کے قیام سے آج تک عملی سیاست اور سماجی خدمت کے شعبوں میں خواتین کی شرکت کافی محدود رہی ہے۔ سروجنی نائیڈو اور ہیرا بائی ایسی اول خواتین ہیں جن کو کافی کوشش کے بعد الیکشن لڑنے کے لئے راضی کیا گیا چنانچہ سروجنی نائیڈو ملک کی پہلی خاتون گورنر بنیں اور جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت ہندوستان کی پہلی خاتون سفیر کے عہدہ پر فائز ہوئیں۔ بعد کے عرصہ میں جو الیکشن ہوتے رہے اُن میں خواتین امیدواروں کی تعداد الیکشن کمیشن آف انڈیا کے مرتب اعداد وشمار کے مطابق درج ذیل رہی۔

ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے الیکشن میں ۵۱ خاتون امیدواروں نے حصہ لیا، ۱۹۵۷ء میں ۷۰ خاتون امیدواروں میں ۱۲۷ الیکشن میں کامیاب ہوئیں، ۱۸۶۲ء میں ۶۵ اور ۱۹۶۷ء میں ۴۴ خواتین الیکشن میں کھڑی ہوئیں جن میں سے علي الترتیب ۳۳ اور ۳۸ کامیاب ہوئیں، ۱۹۷۱ء کی پارلیمنٹ کیلئے خاتون امیدواروں کی تعداد تو ۸۶ تھی لیکن کامیاب صرف ۲۱ ہوئیں، ۱۹۷۷ء میں ۷۰ خواتین الیکشن لڑا جن میں کامیابی ۱۹ کو ملی، ۱۹۸۲ء میں جنرل الیکشن میں ۱۴۲ خواتین میدان میں تھیں جن میں سے ۲۸ منتخب ہوئیں، ۱۹۸۴ء میں ۱۶۱ میں ۴۲ منتخب ہو کر لوک سبھا میں پہنچیں جبکہ ۱۹۸۹ء میں ۱۹۸ خواتین نے قسمت آزمائی اور صرف ۲۵ کو سرخروئی نصیب ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں ۳۲۵ خاتون امیدواروں میں ۳۵ ہی منتخب ہوسکیں بعد کے تین پارلیمانی الیکشن میں بھی کم وبیش یہی صورت حال رہی تاہم آزادی کے ۲۷ برس کے دوران اندرا گاندھی، سچیتا کرپلانی، جے للتا، ممتا بنرجی مایاوتی، اوما بھارتی اور پرتبھا پاٹل جیسی خواتین نے سیاست کو زینہ بنا کر عروج کی منزلیں طے کیں۔

مذکورہ خواتین کے نام یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ عملی سیاست میں بحیثیت مجموعی خواتین کی شرکت میں بتدریج اضافہ ہوا تاہم یہ خاطر خواہ نہ رہا، اِس کی وجہ پُرانے نظریات پر مشتمل ہمارا معاشرتی نظام ہے جس میں سیاست کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اُس میں شریف گھرانے کی عورتوں کا داخلہ تو ناپسندیدہ عمل ہی شمار ہوتا ہے۔

صفحہ تحفظ ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی کی مراقی نبوت کے خدوخال ۲

انبیاء کی سیرت : انبیاء علیہم السلام کی سیرت مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کا یہ وصف بھی نمایاں نظر آتا ہے کہ وہ سلیم الفطرت، صحیح الدماغ اور متناسب الاعضاء ہوتے ہیں ان میں کوئی ایسا جسمانی عیب نہیں ہوتا جس پر انگشت نمائی کی جاسکے، ان کے علاوہ اور بہت سے نمایاں اوصاف ہوتے ہیں جو عام انسانوں میں نہیں ہوتے، بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ومناسب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تمام انسانی خوبیوں کے بہترین مجموعہ ہوتے ہیں، اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو ’’آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری‘‘ کہنا ہی انصاف کا تقاضا ہے۔

شجاعت وجوانمردی، وحوصلہ اور جرأت و بیبا کی تو نبوت کے لیے لازمی اوصاف ہیں ورنہ تبلیغ و دعوت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ ان مسلمات کو

کیا دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی کتاب اور سوانح لکھی گئی ہے جس کی صحت کو شک وشبہ سے بالاتر رکھنے کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا ہو، جواب نفی میں ہی ملے گا کہ ہماری نظر میں کوئی ایسی تاریخی کتاب اور سوانح نہیں ہے جو اس قدر اہتمام سے مرتب کی گئی ہو اور وہ ہر طرح شبہات سے بالاتر ہو۔

ذہن میں تازہ رکھتے ہوئے آیئے پوری دیانت داری، حاضر دماغی اور سنجیدگی سے دیکھیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جس میں کم وبیش یہ اوصاف حمیدہ نظر آتے ہوں، تاریخ انسانی کے اس ڈیڑھ ہزار سالہ دور میں کوئی شخصیت ایسی ملتی ہے جو ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہو۔ اگر کوئی ہے تو وہ کون ہے؟ کیا اس کی بھی سیرت اسی استناد کے ساتھ تاریخ کے اوراق میں ملتی ہے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خاصہ ہے۔ بات اندر کی ہو یا باہر کی، اس کا بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کے حالات زندگی کیا ہیں؟ قابل اعتبار بھی ہے۔ یا نہیں؟ کبھی وہ جھوٹ بھی بولا ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ اس نے تفریح ولطف اندوزی کے لیے گفتگو میں جھوٹ کی آمیزش کردی ہو؟ کہیں کھڑے کھڑے کھانے لگا ہو؟ سرراہے ٹھٹھا لگاتا رہا ہو، مشکوک کردار کے لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست رہی ہو، اگر ان میں سے کوئی بات رہی ہو تو وہ ساقط الاعتبار ہے اس کی بات ہی نہیں مانی جائے گی خواہ وہ بظاہر نہایت خدا ترس اور عبادت گزار ہو ہاں یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اس کی یادداشت اچھی ہے یا نسیان کا شکار ہے، اس کا دماغی توازن ہمہ وقت صحیح رہتا ہے یا کبھی کبھی توازن بگڑ جاتا ہے اس طرح کے بہت سے اصول وضوابط ہیں جن کا پابند ہی قابل اعتبار ہوگا۔

احادیث کی برتری : کیا دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی کتاب اور سوانح لکھی گئی ہے جس کی صحت کو شک وشبہ سے بالاتر رکھنے کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا ہو، جواب نفی میں ہی ملے گا کہ ہماری نظر میں کوئی ایسی تاریخی کتاب اور سوانح نہیں ہے

تحریر: مولانا عبدالحفیظ رحمانی

جو اس قدر اہتمام سے مرتب کی گئی ہو اور وہ ہر طرح شبہات سے بالاتر ہو۔ لیکن میں اس موقعہ پر بلاخوف تردید یہ بھی کہتا ہوں کہ کوئی عام سوانحی کتاب کسی مصلح و ریفارمر پر پڑھ لیجیے جس کی زندگی انسانیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہو۔ آپ درماندہ وعاجز ہوکر یہی کہیں گے کہ انبیاء علیہم السلام کی صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی کی نظیر نہیں ملتی۔

یہ تو وہ مصلحین ہیں جنھوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور ان میں ذہنی فتور اور دماغی بیماری نہیں تھی۔ آیئے اب ان مدعیان نبوت پر نظر ڈال لیں جنھوں نے پوری قوت کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا، ان میں ایک مسیلمہ بھی ہے جس نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود ہی میں نبوت کا دعویٰ کردیا تھا اور ایسی شورش برپا کردی تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی سرکوبی کے لیے جنگ کرنی پڑی، یہ فتنہ فرو ہوا اور اس تاریخی صداقت کی داد دیجیے کہ کذاب اس کے نام کا جزو بن گیا۔ آج ہر شخص اس کو صرف مسیلمہ کذاب کہتا ہے۔ یہ بھی تاریخ نبوت میں ایک عجوبہ ہے کہ ایک عورت نے بھی اسی دور میں نبوت کا دعویٰ کردیا۔ اس سے پہلے کسی خاتون نے دعویٰ نبوت کی جرأت نہیں کی تھی، اس کو یہ نبوت ایسی راس آئی کہ اپنے ہم جنس مسیلمہ کذاب سے شادی رچالی، یعنی مردانہ اور زنانہ دونوں نبوتیں ایک ہی گھر میں جمع ہوگئیں، نام تھا سجاح بنت خویلد، ان دونوں مدعیان نبوت کی زندگی کیسی تھی؟ وہی جو عام لوگوں کی ہوتی ہے، اسی لیے دونوں کی نبوت ان کے ساتھ ہی دفن ہوگئی، تاریخ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے طور پر ان کے ناموں کو محفوظ رکھا ہے۔

اسود عنسی : لیجیے اسی دور کے دو نام اور بھی سن لیجیے، اسود عنسی اور طلیحہ بن خویلد، ان کے بھی چراغ نبوت پھونکوں سے بجھ گئے، اعلان کے صلے میں صرف لعنتیں ہی آئیں، افسوس اس پر ہے کہ ان مدعیان نبوت کے حالات زندگی تاریخ نے بیان نہیں کیے، اگر ان میں کوئی امتیازی وصف ہوتا تو تاریخ ضرور اس کا ذکر کرتی، معلوم ہوا کہ کوئی ایسی خوبی تھی ہی نہیں جو تاریخ کا جزو بنتی اور تاریخ کا قاری اس کو سراہتا۔

چونکہ نبوت سب سے بڑا اور پاکیزہ اعزاز ہے وہ بھی خالق کائنات کی طرف سے، اس لیے بہت سی طبیعتیں مچلیں کہ نہ سہی خدائی نبوت، ہوسکتا

نبوت سب سے بڑا اور پاکیزہ اعزاز ہے وہ بھی خالق کائنات کی طرف سے، اس لیے بہت سی طبیعتیں مچلیں کہ نہ سہی خدائی نبوت ہوسکتا ہے اپنی اختراعی نبوت کا سکہ چل جائے اور دنیا ہی میں سنور جائے لیکن دنیا نے اختراعی نبوتوں کو قبول نہیں کیا اور یہ اپنی موت آپ مرگئیں۔

ہے اپنی اختراعی نبوت کا سکّہ چل جائے اور دنیا ہی میں سنور جائے لیکن دنیا نے اختراعی نبوتوں کو قبول نہیں کیا اور یہ اپنی موت آپ مرگئیں ادھر ایک طویل مدت سے اپنے پیش روؤں کا آغاز وانجام دیکھ کر کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، البتہ اسلامیات کے مطالعہ میں امام مہدی کی آمد کی پیشین گوئی پڑھی تو چند لوگوں نے مہدویت کا بھی دعویٰ کیا اور خود کو مہدی ثابت کرنے میں پوری توانائی صرف کردی لیکن یہ مہدویت بھی مدعیوں کے ساتھ دفن ہوگئی، حیرت ہوتی ہے کہ تاریخ نے جھوٹے مدعیان نبوت و مہدویت پر دماغی خلل کا الزام عائد نہیں کیا اور نہ کسی ایسی بیماری کا ذکر کیا جو نبوت کا دعویٰ کرنے پر مجبور کردے، حالانکہ اطباء نے ایک ایسی بیماری کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے جو نبوت کا اعلان کراتی ہے اور جسے مراق کہا جاتا ہے۔ (جاری)

ترانۂ ختم نبوت

محمد صلاح الدین سعیدی

ہے ہر اک اہلسنّت پاسباں ختم نبوت کا مجاہد ہے ہر اک پیرو جواں ختم نبوت کا
وہ جس کے علم نے میدان سے دوڑایا مرزے کو ہے شاہ گولڑہ کوہ گراں ختم نبوت کا
دعا جس کی گری تھی برق بن کر جان مرزا پر خدا کا شیر وہ برق تپاں ختم نبوت کا
ترپن میں چلی تحریک جب ختم نبوت کی تھا بوالحسنات میر کارواں ختم نبوت کا
چوہتر میں چلی تحریک جب قومی اسمبلی میں مرا قائد تھا میرِ کارواں ختم نبوت کا
وہ پیکر جاہ و حشمت وہ نیازی میداں کا تھا اپنی ذات میں وہ کارواں ختم نبوت کا
مجاہد بے ریا جس نے بنا ڈالی فدایان کی وہ صوفی با صفا ایاز خان ختم نبوت کا
مقام مصطفیٰ کی عظمتوں کے منکرو سن لو تمہارا کام ہے سب رائیگاں ختم نبوت کا
فدائی مصطفیٰ کا اور نظام مصطفیٰ کا ہو وہی سچا فدائی ہوگا ہاں ختم نبوت کا
ہمارا واعظان خوش نوا کو مشورہ ہے کہ ہو کم سے کم ماہانہ اک بیاں ختم نبوت کا
الٰہی اپنی رحمت سے شہیدوں کے وسیلے سے
سعیدؔی کو بنا دے نغمہ خواں ختم نبوت کا

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوری ؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دھلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوری ؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بھترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ھے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱-بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱-بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

آئینی حقوق اور تبدیلی مذہب - ایک جائزہ

ملک کے آئین نے دفعہ ۲۵ کے تحت ہر شہری کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی پسند کے مذہب کو اختیار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے اور یہ حق مسلمانوں کو بھی آئین کے تحت حاصل ہے بلکہ مسلمانوں پر اضافہ ذمہ داری بھی ہے۔ قرآن مجید میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰ میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: ’’تم بہترین امت ہو جس کو انسانوں میں بھیجا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

اس کے علاوہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ دنیا میں جتنے لوگ بھی مذہب تبدیل کرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اسلام میں ہی داخل ہوتے ہیں۔ گوگل سرچ میں سب سے تیز پھیلنے والا مذہب سرچ کرنے پر ہمیشہ جواب اسلام ہی آتا ہے لیکن ہمارے ملک میں سیاسی ضروریات کے تحت آئینی اختیارات کو چھین لینے کی کوششوں کی تاریخ رہی ہے۔ ۱۹۷۵ء کی ایمرجنسی تو اس کی صرف ایک مثال ہے۔ تبدیلی مذہب کو لے کر موجودہ شورشرابہ انھیں کوششوں کی ایک کڑی ہے۔ حالیہ تاریخ میں تبدیلی مذہب کا ایک قابل ذکر واقعہ ہوا تھا جب فروری ۱۹۸۱ء میں تمل ناڈو کے ترونلویلی ضلع کے میناکشی پورم گاؤں کے تقریباً ڈیڑھ سو دلت خاندانوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حالانکہ ان کا مذہب تبدیل کرنے کا سبب اونچی ذات کے لوگوں کا ظالمانہ رویہ تھا لیکن انتہا پسند ہندو تنظیموں نے اس کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی اور اس کو خلیجی ممالک سے آنے والی رقم کے لالچ میں کی گئی تبدیلی قرار دیا۔ پورے ملک میں دیواریں ’’دھرمانتر نہیں چلے گا، پیٹروڈالر نہیں چلے گا‘‘ کے نعروں سے رنگ دی گئیں۔ وراٹ ہندو سمیلن کا قیام ہوا جس نے بوٹ کلب دلّی پر اپنی طاقت کا عظیم الشان مظاہرہ کیا اور کانگریس کے لیڈر ڈاکٹر کرن سنگھ تک اس میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ اٹل بہاری باجپئی جیسے معتدل مزاج لیڈر نے بھی میناکشی پورم جاکر لوگوں سے دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے کی اپیل کی۔ سماجیات کے ماہرین کے مطابق مذہب تبدیل کرنے کی وجہ سماج میں پھیلی نابرابری اور اونچے طبقوں کے ہاتھوں لگاتار ہونے والی بے عزتی ہے جبکہ ہندو تنظیمیں اسے لالچ اور خوف کا نتیجہ قرار دیتی ہیں۔

مسلمانوں کی صدیوں کی حکمرانی کے دور میں انگریزوں کی گڑھی ہوئی کہانیوں سے قطع نظر ہندوؤں کو نہ تو خوفزدہ ہوکر اپنا مذہب تبدیل کرنا پڑا اور نہ کسی لالچ میں آکر انھوں نے اپنا مذہب چھوڑا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ مغلوں کے دور میں سپہ سالار کا عہدہ اکثر راجپوتوں کے پاس رہا اور شاہی فوج کا ایک بڑا حصہ راجپوتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بادشاہوں نے بطور مذہب اسلام کی ترویج کے لیے کبھی کوششیں نہیں کیں۔ ہاں مسلمانوں کے حسن سلوک اور خانقاہوں اور اولیائے کرام کے اثرات میں لوگوں نے ضرور اسلام قبول کیا۔ اگر لالچ اور زور زبردستی کے قصوں میں حقیقت ہوتی تو برصغیر میں آبادی کا تناسب آج کی حالت کے برعکس ہوتا۔ آج غربت کی حالت میں جی رہے خوفزدہ مسلمان نہ تو لالچ دینے کی حیثیت میں ہیں اور نہ خوفزدہ کرنے کی۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اکثریت میں کوئی خوف ہے تو بے بنیاد ہے اور سیاسی مقصد سے جان بوجھ کر پیدا کیا جارہا ہے۔ ہاں اکثریت کو اپنے ہم مذہب لوگوں کی مذہب سے بیزاری کی وجوہات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے جس کی سب سے بڑی وجہ عزتِ نفس کا مجروح ہونا ہے۔ چاہے مندروں میں داخلے کا معاملہ ہو، بارات میں گھوڑے پر بیٹھنے کا یا ساتھ میں کھانے پینے کا یا محض برابر میں بیٹھ جانے کا۔ آج کے دور میں انسان کسی قسم کی تفریق کا روادار نہیں۔ جو عزت اسلام نے انسان کو ڈیڑھ ہزار سال قبل بخشی تھی انسان آج بھی اس کے متمنی ہیں اور یہی کشش ان کو اسلام کے قریب لے جاتی ہے جسے تسلیم نہ کرکے لالچ یا خوف کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ موجودہ حکمراں جماعت نے اقتدار میں آنے کے بعد سے ہی فرقہ وارانہ مدعوں کو ہوا دینے کی لگاتار کوشش کی ہے۔ چاہے لوجہاد کے متعلق قانون بنانے کا معاملہ رہا ہو یا تبدیلی مذہب کے لیے آرڈیننس لاگو کرنے کا یا مسجدوں کی شہادت کے حالیہ واقعات۔ موجودہ حکمرانوں کی ترجیحات میں عوام کی فلاح و بہبود، مہنگائی، علاج کی سہولیات یا تعلیم دور دور تک نظر نہیں آتی۔ صرف فرقہ وارانہ خطوط پر عوام کی تقسیم میں ہی امید کی کرن نظر آتی ہے حالانکہ بنگال میں اس طرح کی امید پر پانی پھر چکا ہے۔ اب اترپردیش اس قسم کی سیاست کا سب سے بڑا مرکز ہے کیونکہ صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں کچھ ہی مہینے باقی ہیں۔ حالیہ پنچایت الیکشن کے نتائج نے حکمراں جماعت بی جے پی کو ہکا بکا کردیا ہے جس میں اسے زیادہ تر نشستوں پر کراری شکست ہوئی ہے۔ اترپردیش سب سے اہم صوبہ ہے، یہاں کی شکست ۲۰۲۴ء کے پارلیمانی انتخابات کی امیدوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ موجودہ حکمراں جماعت کی حکمت عملی ہندوؤں کو خوفزدہ کرکے ووٹ پولیرائز کرنے کی رہی ہے۔ تبدیلی مذہب کا مدعا اسی لیے زور شور سے اُٹھایا جارہا ہے۔ تبدیلی مذہب کو لے کر موجودہ ہنگامہ آرائی حکمراں جماعت کی اسی حکمت عملی کا حصہ معلوم ہوتی ہے جو اس نے مہنگائی اور کورونا وبا میں عوام کے مصائب پر بے حسی سے توجہ ہٹانے کے لیے وضع کی ہے۔ حال ہی میں دو اسلامی اسکالروں ڈاکٹر محمد عمر گوتم اور مولانا جہانگیر قاسمی کو اترپردیش اے ٹی ایس نے گرفتار کیا ہے۔ ان پر ایک ہزار لوگوں کی تبدیلی مذہب کا الزام لگایا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد عمر گوتم کو اس ریکیٹ کا سرغنہ بتایا گیا ہے۔ انھوں نے تقریباً پینتیس سال قبل نوجوانی میں اسلام قبول کیا تھا اور وہ بھی کسی خوف یا لالچ کے بغیر اپنے مسلم دوستوں کی خدمت اور حسن اخلاق اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر۔ ان کا اصل نام شیام پرساد سنگھ گوتم تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے خود کو اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کررکھا ہے۔ انھوں نے دہلی میں ایک مرکز ’اسلامی دعوہ سینٹر‘ کے نام سے قائم کیا جہاں ایسے لوگوں کی قانونی مدد

(باقی صـ۱۴ پر)

> اترپردیش سب سے اہم صوبہ ہے، یہاں کی شکست ۲۰۲۴ء کے پارلیمانی انتخابات کی امیدوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ موجودہ حکمراں جماعت کی حکمت عملی ہندوؤں کو خوفزدہ کرکے ووٹ پولیرائز کرنے کی رہی ہے۔ تبدیلی مذہب کا مدعا اسی لیے زور شور سے اُٹھایا جارہا ہے۔

تجزیہ

محمد حنیف خان

سیاسی نظام میں سہ سطحی تعلیمی اصلاحات

جمہوری نظام حکومت میں اس سیاسی نظام کے دو محور ہوتے ہیں۔ ایک وہ سیاسی پارٹیاں جس کے بینر تلے فکری ہم آہنگی کی بنیاد پر جمع ہوکر جمہوری نظام کے تحت حکومت سازی کرتے ہیں۔ دوسرے وہ وہ سیاسی قائدین جو آتے تو پارٹی سے ہی ہیں مگر آئینی عہدوں پر رہنے کی وجہ سے ان کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ ان دونوں طرح کے لیڈروں سے سیاست کا مزاج طے ہوتا ہے مگر چونکہ وزراء آئینی عہدوں پر ہوتے ہیں اس لیے ان کے افعال و کردار کی نہ صرف دستاویزی حیثیت ہوتی ہے بلکہ وہ کثیر تعداد میں لوگوں کو متاثر بھی کرتے ہیں۔ صرف سیاست داں ہی نہیں کسی کی بھی زندگی میں تعلیم و تربیت کی حیثیت سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے، اس سے نہ صرف انسان کا خود اپنا وجود متاثر اور مستحکم ہوتا ہے بلکہ آس پاس یہاں تک کہ پورے ملک کے افراد سماجی حیثیت کے اعتبار سے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے سیاست کے میدان میں دونوں سطحوں (پارٹی اور حکومت) پر تعلیمی لیاقت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس سے اوّلاً جہاں منطقی سوچ پیدا ہوگی وہیں ان سیاست دانوں کی تعلیمی لیاقت پورے ملک کو ہر شعبے میں متاثر بھی کرے گی۔

اترپردیش ملک کی سب سے بڑی ریاست ہے جہاں ۲۰۲۲ء میں ریاستی اسمبلی کے لیے انتخابات ہونے ہیں، اس کے ساتھ وقتاً فوقتاً ملک کی دوسری ریاستوں میں بھی پہلے اور بعد میں الیکشن ہوں گے اور ۲۰۲۴ء میں ملک میں پارلیمانی انتخابات ہوں گے اس لیے سیاست کے میدان اور اس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاست میں اصلاح کی جائے جس کی بنیاد تعلیم کو بنایا جائے جو دراصل ہمارے سیاسی نظام کی مضبوطی ہوگی۔ اس سے جہاں اندرون ملک بہت سے معاملات ٹھیک ہوں گے اور آپسی رواداری، انسانیت اور ترقیات کو فروغ ملے گا وہیں خارجی سطح پر بھی ملک کی حیثیت مضبوط اور مسلم ہوگی۔ سیاست دانوں کی تعلیمی لیاقت سیاسی نظام میں تعلیم کی اہمیت کے تناظر میں اگر اقوام عالم کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے ہمیں اپنے پڑوسی ملکوں کو دیکھنا چاہیے۔ ان میں پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، نیپال اور سری لنکا وغیرہ ایسے ممالک ہیں جن کی حیثیت ہم سے بہتر نہیں ہے لیکن چین اس معاملے میں آگے ہے۔

دراصل جب سیاست داں تعلیم یافتہ نہیں ہوتے تو وہ لال فیتہ شاہی کے یرغمال ہوتے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں منصوبے بناتے ہیں اور خاکہ سازی کرتے ہیں۔ افسران صرف ان لیڈروں کو زبانی یا تحریری طور پر ان منصوبوں کے بارے میں بتاتے ہیں، اگر کوئی منصوبہ یا اس کی شق سمجھ میں نہیں آتی ہے تو وہ ان کو اپنی ضرورت کے اعتبار سے سمجھا بھی لے جاتے ہیں لیکن اگر یہی سیاست داں تعلیم یافتہ ہوں، وزراء اپنی وزارت کے ماتحت آنے والے معاملات کی اچھی سمجھ رکھتے ہوں تو افسران اپنی مرضی نہیں چلا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر وزراء خود اپنے ماتحت افسران کے ربر اسٹامپ بن کر کام کرتے ہیں کیونکہ اصل معاملات کی ان کو سمجھ ہوتی ہی نہیں ہے۔ چین اگر آج تکنیک کے معاملے میں اتنا آگے ہے تو اس کے پس پشت وہ تکنیکی وزرا اور پارلیمانی ممبران ہیں جو تکنیکی تعلیم سے آراستہ تھے۔ اسی دور میں پولٹ بیورو کی مستقل کمیٹی (پولٹ بیورو اسٹینڈنگ کمیٹی) کے سات ممبران کے پاس سائنسی اور انجینئرنگ کی ڈگری یافتہ تھے۔ اس وقت بھی صدر اور وزیر اعظم ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء کے انتظامی اصلاحات نے ۱۹۸۷ء تک چینی حکومت میں کالج سے تعلیم یافتہ وزراء اور ان کے نائبین کی تعداد ۳۸ فیصد سے بڑھا کر ۵۹ فیصد تک کردی تھی جس میں مستقل اضافہ ہی ہوتا گیا ہے۔

جہاں تک بات پارٹی سطح کی ہے تو آج بھی انیسویں نیشنل کانگریس کے قائدین میں سماجیات میں ڈگری رکھنے والے لیڈروں کی اکثریت ہے۔ پولٹ بیورو اسٹینڈنگ کمیٹی کے کل سات میں سے چار ممبران کے پاس سماجیات اور بشریات میں اعلیٰ ڈگریاں ہیں۔ سینٹرل کمیٹی کے اکثر و بیشتر ممبران معاشیات اور سماجیات جیسے موضوعات میں اعلیٰ اسناد رکھتے ہیں۔ آج بھی چین میں یہ بات عام ہے کہ اعلیٰ سطح کا لیڈر بننے اور اونچی کرسی تک پہنچنے کے لیے تعلیم اور خاص طور پر تکنیکی تعلیم ضروری ہے حالانکہ تکنیکی تعلیم سے آراستہ ہونے کا زرّیں دور کب کا گزر چکا ہے البتہ دوسرے موضوعات میں آج بھی چینی لیڈروں کے پاس اعلیٰ ڈگریاں ہیں۔ اس سے خود ان وزراء کے ساتھ ہی پورا ملک مستفید ہورہا ہے جبکہ اس کے برعکس ہمارے یہاں سیاست دانوں کے لیے جماعتی اور حکومتی دونوں سطح پر کوئی نظام نہیں ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق سولہویں لوک سبھا میں ۲۳ فیصد ممبرانِ پارلیمنٹ انٹر پاس نہیں ہیں۔ ۲۴ فیصد سے زائد ہائی اسکول پاس نہیں ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وزراء کا تعلیمی گراف کیا ہے۔

اس وقت ملک میں دو سب سے بڑی سیاسی جماعتیں کانگریس اور بی جے پی ہیں، ان دونوں جماعتوں کو اپنی اپنی سطح پر اس بات پر توجہ دینا چاہیے کہ پارٹی کے عہدے داروں کی تعلیمی لیاقت کیا ہوگی، کس لیاقت کا حامل فرد کس عہدے پر رہے گا اور کتنی لیاقت والے فرد کو کس انتخاب میں پارٹی کی طرف سے امیدوار بنایا جائے گا۔ دراصل سیاسی پارٹی ملک کی سیاست کا پہلا مکتب ہے جہاں سیاست دانوں کی تربیت ہوتی ہے اور ان کا انتخاب ہوتا ہے جو ملک چلائیں گے، ایسے میں سب سے پہلے ان پارٹیوں کو اپنی پارٹی کا تعلیمی گراف بلند کرنا ہوگا۔ اس سے جہاں پارٹی کا مزاج نکھر کر سامنے آئے گا وہیں فکری سطح پر پارٹی مضبوط بھی ہوگی اور یہ افراد جب انتخابات میں کامیابی حاصل کرکے آئینی عہدوں پر پہنچیں گے تو اپنی ذمہ داریاں بھی اچھے ڈھنگ سے ادا کرسکیں گے جس سے جہاں ایک طرف پورا ملک مستفید ہوگا تو وہیں دوسری جانب پارٹی کی شبیہ بھی بہتر ہوگی جس سے پورا سیاسی نظام بہتری کی طرف گامزن ہوجائے گا۔

دوسری سطح پر حکومت وزیر اور نائب وزیر کے لیے محکموں کے اعتبار سے تعلیمی لیاقت طے کرے۔ اس سے کام بہتر انداز میں ہوں گے اور وہ شخص نہ صرف خود افسران کو بہتر مشورے دے سکے گا بلکہ خود تجربے بھی کرسکے گا۔ تیسرا کام الیکشن کمیشن آف انڈیا کا ہے۔ ملک کو تعلیم یافتہ ہاتھوں میں دینے کے لیے اب اس کو قدم اُٹھانا ہی چاہیے۔ جمہوری نظام ضرور ہے مگر ایک طویل عرصے سے تعلیم کے محاذ پر کام بھی ہورہا ہے اس لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عہدوں کی اہمیت کے پیش نظر تعلیمی لیاقت طے کی جانی چاہیے۔ اس جانب اگر دو قدم بڑھادے تو اس کے آگے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

سیاسی نظام میں تعلیمی اصلاحات پر زور اس لیے بھی ضروری ہے کہ سیاست میں صرف سیاسی قائدین کے ورثا اور گھومنے ٹہلنے والے ناکارہ لڑکے ہی نہ آئیں بلکہ بصارت اور بصیرت رکھنے والے تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور جائے ورنہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ سیاست میں ان ہی افراد کی اکثریت ہے جو کالج تو ضرور گئے مگر وہاں پڑھنے کے بجائے صرف سیاست اور گروپ بازی کرکے یا پھر سیاسی پارٹیوں کا دامن پکڑ کر اونچے سیاسی عہدوں پر متمکن ہوگئے۔ اس طرح کے افراد عہدے تو حاصل کرسکتے ہیں اور دولت بھی کما سکتے ہیں مگر ملک کا بھلا نہیں کرسکتے۔ اگر حقیقت میں ملک کا ہم بھلا چاہتے ہیں تو ہمیں سیاسی نظام کے تینوں اداروں پر زور ڈالنا ہوگا کہ وہ اپنی اپنی سطح پر تعلیمی لیاقت کو اہمیت دیں اور اپنے اپنے آئین میں تبدیلی کرکے تعلیمی اصلاح کو راہ دیں۔

تاکہ سند رہے

آبادی بڑھاؤ ورنہ ہندستان مصیبت میں پھنس جائے گا

فیملی پلاننگ کے بھگوا شگوفے کے برخلاف ماہر معاشیات سوامی ناتھن کی وارننگ

ماہر معاشیات سوامی ناتھن ایس این کلسریا نے کہا ہے کہ ہندستان کو آبادی بڑھانے کی ضرورت ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک کی مصیبت بڑھ سکتی ہے۔ انھوں نے ان دعوؤں کے ساتھ اعداد وشمار بھی دیئے اور دو بچوں کی پابندی لگانے سے جڑے فیصلے کو غلط بتایا۔ اپنے مضمون میں انھوں نے کہا کہ لکشدیپ میں بی جے پی کے ایڈمنسٹریٹر کے ذریعہ اس آرڈیننس نے لوگوں میں بے چینی پیدا کی، جن میں دو بچوں سے زیادہ والوں کو پنچایت انتخاب کی امیدواری سے باہر کیے جانے سے جڑا مسودہ بھی ہے۔ یہ ناسمجھی ہے۔

ہندستان اور دنیا کو زیادہ نہیں بلکہ ناکافی پیدائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے مطابق چین نے ایک بچے کی پالیسی لاگو کی، بعد میں دو کے لیے منظوری دی اور اب وہ تین بچوں کے لیے ترغیب دے رہا ہے۔ چونکہ اس کے کام کاجی عمر کی آبادی گر رہی ہے اس لیے جی ڈی پی کو فروغ دینے کے لیے اسے اور زیادہ مزدوروں کی سخت ضرورت ہے۔ مستحکم آبادی کے لیے پیدائش کی کل شرح ہر عورت پر پیدا ہونے والا بچہ ۲ء۱ ہونا چاہیے۔ یہ ایک دم سے آبادی میں اضافہ کو نہیں روکے گا۔ مستقبل میں ماں بننے والی عورتیں پیدا ہوچکی ہیں اس لیے آبادی دو دہائیوں تک ۲ء۱ پر پہنچنے تک بڑھتی رہے گی اور پھر اضافہ کی رفتار کم ہوجائے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کی پیدائش کی شرح گر رہی ہے۔ زیادہ آبادی کے فرضی ڈر کو ترک کرنا چاہیے اور کم کام کاجی عمر کے لوگوں (۱۵ سے ۶۵ سال) اور بڑی عمر کے ساتھ مستقبل کی تیاری کرنی چاہیے حالانکہ انھوں نے آگے لکھا کہ بچے کی اچھی پرورش کی لاگت بڑھ گئی ہے اس لیے لوگ دو بچوں کا بھی خرچ نہیں اُٹھا سکتے۔ کئی ملک تو بچے کی مفت دیکھ بھال، طویل زچگی اور زچگی کی چھٹی، مفت چائلڈ کیئر ہیلتھ اور ایسے ہی ملتے جلتے فائدے اور سہولت مہیا کرا رہے ہیں، پھر بھی ان کی پیدائش کی شرح گر رہی ہے۔ انھوں نے کچھ ممالک کا ذکر کیا اور کہا کہ تائیوان میں یہ شرح سب سے کم ہے۔ وہاں یہ تعداد ۱ء۰۷ ہے۔ جنوبی کوریا میں ۱ء۰۹، سنگاپور میں ۱ء۱۵ ہے۔ یہاں تک کہ امیر ممالک میں یہ بھی ڈیٹا ریپلسمنٹ لیول سے نیچے ہے۔ مثلاً جاپان میں ۱ء۳۸، جرمنی میں ۱ء۴۸، یو ایس میں ۱ء۴۸، اور یوکے میں ۱ء۸۶ ہے۔ افریقی ممالک میں یہ شرحیں ابھی بھی تین سے نیچے ہیں مگر میکسیکو میں شرح پیدائش ۲ء۱۴ سے کم ہے۔ ہندستان کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ بھارت کا شرح پیدائش ریٹ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۳ء میں ۳ء۴ بچوں کا تھا جو کہ آج ۲ء۲ پر آگیا ہے۔ مانا جارہا ہے کہ ۲۰۲۵ء میں یہ گر کر ۱ء۹۳ ہوسکتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ متوسط طبقے کے لوگ کم بچے چاہتے ہیں۔ زیادہ تر آبادی سے دور بھارت ناکافی شرح پیدائش کے عالمی جال، کام کاجی عمر کے کم لوگوں اور بڑی تعداد میں بزرگ لوگوں کو مہنگی طبّی سہولت کی ضرورت والے دور کی جانب بڑھ رہا ہے۔

کھیل کی دنیا: ہربھجن سنگھ - ہندستانی ٹیم کا ایک ہرفن مولا گیند باز

ہندستان کے ہرفن مولانا اسپن گیند باز ہربھجن سنگھ عرف بھجی کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ ہربھجن سنگھ ہندستانی کرکٹ ٹیم کے ٹاپ گیند باز رہ چکے ہیں۔ کئی ایسے نازک موقعوں پر ہندستانی ٹیم کو بحران سے نکالنے میں ہربھجن سنگھ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جب انھوں نے اپنی کمال کی گیند بازی سے ہندستان کو فتح دلائی۔ ہربھجن سنگھ کی پیدائش ۳؍جولائی ۱۹۸۰ء کو پنجاب کے شہر جالندھر میں ایک سکھ خاندان میں ہوئی۔ ان کے والد کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایک بہترین کرکٹر بنیں اور ملک کا نام روشن کریں۔ اسی لیے ان کے والد نے انھیں اپنے کرکٹ کیریئر پر بھرپور توجہ دینے کی صلاح دی۔ ہربھجن سنگھ کا بچپن سے ہی کھیلوں کی طرف رجحان رہا۔ وہ کبڈی، جوڈو، کراٹے، کرکٹ جیسے کھیلوں میں بہت دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ہربھجن سنگھ کو ان کے سابق کوچ چرن جیت سنگھ بھلر نے انھیں بحیثیت ایک بلے باز ٹریننگ دی تھی۔ کوچ کے انتقال کے بعد ہربھجن سنگھ نے اپنی توجہ گیند بازی کی طرف مبذول کی۔ اس میں دو رائے نہیں ہے کہ ہربھجن سنگھ نے سخت محنت کی، وہ دن میں تقریباً تین مرتبہ پریکٹس میدان میں مشق کرنے جایا کرتے تھے کیونکہ وہ اپنے ارادوں میں انتہائی پکے تھے اور اپنے والد کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنا چاہتے تھے۔

کرکٹ کی طرف رجحان اور دلچسپی کی وجہ سے ہربھجن کو تقریباً پندرہ برس کی عمر میں ہریانہ کے خلاف انڈر۱۶ میں کھیلنے کا موقع ملا، جہاں انھوں نے کمال کی گیند بازی کرتے ہوئے ۴۶ رن کے عوض سات وکٹ حاصل کیے۔ دوسرے میچ میں بھی یہی جذبہ برقرار نظر آیا جہاں انھوں نے دہلی کے خلاف ۵۶ رن بھی بنائے اور اپنی جارحانہ گیند بازی کا مظاہرہ بھی کیا۔

تیسرے میچ میں بھی انھوں نے ہماچل پردیش کے خلاف کھیلتے ہوئے ۱۱وکٹ حاصل کیے اور پنجاب کو شاندار جیت دلائی۔ ان کی شاندار کارکردگی کو دیکھتے ہوئے نارتھ زون انڈر۱۶ ٹیم کے لیے انھیں منتخب کرلیا گیا۔ مسلسل بہترین کارکردگی پیش کرنے کے ساتھ ہی انھیں جلد ہی انڈیا انڈر۱۹ کی جانب سے جنوبی افریقہ کے خلاف ایک روزہ میچ میں کھیلنے کا موقع ملا۔ یہ میچ ہندستان کی جھولی میں گیا۔ اس میچ میں انھوں نے ۱۹رن دے کر سات اووروں میں ایک وکٹ حاصل کیا۔ تواتر کے ساتھ اچھی پرفارمینس دیتے رہنے کے لیے انھیں فرسٹ کلاس میچوں میں کھیلنے کا موقع مل گیا۔ پھر اس کے بعد انھیں جلد ہی نیوزی لینڈ کے خلاف ایک روزہ میچوں میں ڈیبو کرنے کا موقع ملا۔ ہربھجن سنگھ نے اپنے ٹسٹ میچ کا آغاز ۲۵؍مارچ ۱۹۹۸ء کو بنگلورو میں آسٹریلیا کے خلاف کھیل کر کیا اور اپنا آخری میچ ۱۲؍اگست ۲۰۱۵ء کو گالے میں سری لنکا کے خلاف کھیلا۔ اپنا پہلا ایک روزہ میچ انھوں نے ۱۷؍اپریل ۱۹۹۸ء کو شارجہ کرکٹ گراؤنڈ میں نیوزی لینڈ کے خلاف کھیلا اور ممبئی میں ۲۵؍اکتوبر ۲۰۱۵ء کو جنوبی افریقہ کے ساتھ اپنا آخری میچ کھیل کر ایک روزہ میچوں کا اختتام کیا۔ ٹی-۲۰ میچوں کی شروعات ۲۲؍جون ۲۰۰۵ء میں کی جبکہ اپنا آخری میچ ۱۸؍اپریل ۲۰۲۱ء کو کھیلا۔ ابتدائی دور میں ہربھجن سنگھ کی گیند بازی پر کافی سوالات اُٹھائے گئے۔ ◻◻

پی سی بی کی مینز ٹیم کے کھلاڑیوں کے سینٹرل کنٹریکٹ کا اعلان

پاکستان کرکٹ بورڈ (پی سی بی) نے گورننگ بورڈ سے منظوری کے بعد آئندہ مالی سال ۲۲-۲۰۲۱ء کی مینز ٹیم کے کھلاڑیوں کے سینٹرل کنٹریکٹ کا اعلان کردیا جس کے مطابق سابق کپتان سرفراز احمد کو سی کیٹگری میں شامل کیا گیا ہے جبکہ وکٹ کیپر بلے باز محمد رضوان کو اے کیٹگری مل گئی۔ ترجمان پی سی بی نے بتایا کہ اعلان کردہ بیس ایلیٹ کرکٹرز کی اس فہرست میں کنٹریکٹ کی تین مختلف کیٹگری کے مطابق کھلاڑیوں کی آمدنی میں اضافہ اور تمام کیٹگریز کے لیے یکساں میچ فیس مقرر کی گئی ہے۔ اس فہرست کو حتمی شکل دینے والے تین رکنی پینل میں ڈائریکٹر انٹرنیشنل ذاکر خان، چیف سلیکٹر محمد وسیم اور ڈائریکٹر ہائی پرفارمنس ندیم خان شامل تھے۔ اس دوران پینل نے قومی کرکٹ ٹیم کے ہیڈ کوچ مصباح الحق اور کپتان بابر اعظم سے بھی مشاورت کی جس کے بعد کنٹریکٹ کی یہ فہرست پہلے چیف ایگزیکٹیو وسیم خان اور پھر حتمی منظوری کے لیے چیئرمین پی سی بی کے پاس بھجوائی گئی۔ بارہ ماہ پر مشتمل یہ کنٹریکٹ یکم جولائی ۲۰۲۱ء سے ۳۰؍جون ۲۰۲۲ء تک جاری رہے گا۔ کیٹگری اے میں بابر اعظم، حسن علی، محمد رضوان اور شاہین آفریدی شامل ہیں۔ کیٹگری بی میں اظہر علی، فہیم اشرف، فخر زماں، فواد عالم، شاداب خان اور یاسر شاہ شامل ہیں۔ کیٹگری سی میں عابد علی، امام الحق، حارث رؤف، محمد حسنین، محمد نواز، نعمان علی اور سرفراز احمد شامل ہیں۔ ایمرجنگ کیٹگری میں عمران بٹ، شاہنواز دہانی اور عثمان قادر شامل ہیں۔ کنٹریکٹ میں کی گئی نظر ثانی کے مطابق کیٹگری اے کے ماہوار وظیفے میں ۲۵ فیصد اضافہ کیا گیا تاہم کسی بھی فارمیٹ کی میچ فیس میں اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ کیٹگری بی میں ماہوار وظیفے میں ۲۵ فیصد اضافے کے ساتھ ساتھ ٹیسٹ کی میچ فیس میں پندرہ فیصد، ون ڈے انٹرنیشنل کی میچ فیس میں ۲۰ فیصد اور ٹی-۲۰ انٹرنیشنل کی میچ فیس میں ۲۵ فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ کیٹگری سی کے ماہوار وظیفے میں ۲۵ فیصد اضافے کے ساتھ ساتھ ٹیسٹ کی میچ فیس میں ۳۴ فیصد، ون ڈے انٹرنیشنل میچ کی فیس میں ۵۰ فیصد اور ٹی-۲۰ انٹرنیشنل میچ کی فیس میں ۶۷ فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ ایمرجنگ کیٹگری کے ماہوار وظیفہ میں ۱۵ فیصد ٹیسٹ میچ کی فیس میں ۳۴ فیصد، ون ڈے انٹرنیشنل میچ کی فیس میں ۵۰ فیصد اور ٹی-۲۰ انٹرنیشنل میچ کی فیس میں ۶۷ فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کنٹریکٹ کے تحت حسن علی اور محمد رضوان کو کیٹگری اے میں شامل کرلیا گیا ہے۔ حسن علی گزشتہ سال انجری کی وجہ سے کنٹریکٹ حاصل نہیں کرپائے تھے تاہم شاندار کارکردگی کی بدولت انھوں نے آئندہ سیزن کے لیے کنٹریکٹ کی اے کیٹگری حاصل کرلی ہے۔ محمد رضوان کو مستقل کارکردگی کی بدولت کیٹگری اے میں ترقی دی گئی ہے۔ اسی طرح فہیم اشرف، فواد عالم، محمد نواز اور نعمان علی کو بھی انٹرنیشنل کرکٹ میں متاثر کن کارکردگی کی بدولت سینٹرل کنٹریکٹ کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے۔ گزشتہ سال ایمرجنگ کیٹگری میں شامل فاسٹ باؤلرز حارث رؤف اور محمد حسنین کو کیٹگری سی میں ترقی دے کر شاہنواز دہانی، عثمان قادر اور عمران بٹ کو ایمرجنگ کیٹگری میں شامل کرلیا گیا ہے۔

طب وصحت: تربوز دل کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے

کچھ پھلوں کا تصور ہی موسم گرما کی یاد دلا دیتا ہے اور یاد بھی ایسی جو گرمی کی تپتی دھوپ کے باوجود چہرے پر خوشی بکھیر دے۔ گرمیوں کا لازمی جز وٹامن اے اور وٹامن سی کی خوبیوں سے مالا مال اور صحت پر خوشگوار اثرات مرتب کرنے والا رس دار تربوز ایک ایسا ہی پھل ہے جسے موسم گرما کا تحفہ قرار دیا جاتا ہے۔ تربوز تقریباً دنیا کے ہر علاقے میں پایا جاتا ہے لیکن خاص طور پر ہندستان، پاکستان، افغانستان اور ایران میں اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ صحت کے لیے مفید اس پھل کا غالب حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اس میں حیاتین اور معدنی اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔ ماہرین تربوز کی غذائیت سے متعلق کہتے ہیں کہ اس قدرتی پھل میں ۹۰ فیصد پانی اور دس فیصد فولاد، پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم، فاسورس، نشاستہ اور روغنی اجزاء شامل ہیں۔

تربوز کے طبّی فوائد

دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب اور فلسفی الرئیس ابن سینا اپنی کتاب 'القانون' میں تربوز کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قدرت کا یہ رس دار پھل معدے میں پہنچ کر انتہائی فائدہ مند صورت اختیار کرجاتا ہے۔ اس کے بیج جلد کے لیے انتہائی مفید ہیں اور اس کے چھلکے کا لیپ پیشانی پر کردیا جائے تو آنکھوں کے امراض کے لیے فائدہ مند ہے۔ ممتاز طبیب کے علاوہ دنیائے طب کے دیگر ماہرین کے لیے بھی تربوز کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ مختلف تحقیق کے ذریعہ ثابت ہے کہ یہ بے شمار طبّی فوائد سے بھرپور ایک پھل ہے۔ آیئے آج ہم بھی اس مضمون میں بات کرتے ہیں تربوز کے فوائد اور اس کے جسمانی صحت پر ہونے والے مثبت اثرات پر تاکہ آپ بھی شدید گرمی میں اس پھل کے مفید اثرات سے بھرپور فائدہ اُٹھاسکیں۔

دل کی صحت کے لیے مفید

تربوز انسانی جسم کے سب سے اہم جز دل کی صحت کے لیے بے حد مفید قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ کولیسٹرول کنٹرول کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اینٹی آکسیڈنٹ کے علاوہ اس میں پایا جانے والا وٹامن اے، سی، بی ۶، منرلز اور لائکوپین جزیات دل کی بیماریوں کے لیے بھی سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ امریکی یونیورسٹی میں کی جانے والی تحقیق کے نتائج کے مطابق روزانہ ناشتے میں تربوز کی ایک قاش کے استعمال سے دل کی بیماریوں سے بچا جاسکتا ہے۔ طبّی ماہرین کے مطابق تربوز میں موجود قدرتی اجزا نہ صرف بلڈ پریشر کی سطح برقرار رکھتے ہیں بلکہ دل کے دورے کی صورت میں بھی مؤثر ڈھال کا کام کرتے ہیں۔

ہڈیوں کو مضبوط بنانے کا ذریعہ

طبّی ماہرین تربوز کو ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے بہترین قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تربوز کا استعمال ہڈیوں کی بیماری آسٹیوپروسس سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ بیماری انسانی ہڈیوں کو کمزور کردیتی ہے۔ تربوز کے بیجوں میں موجود میگنیشیم مدافعتی نظام، میٹابولک فنکشن کے ساتھ ساتھ پٹھوں کی صحت اور ہڈیوں کے لیے مفید قرار دیا جاتا ہے۔ تربوز ہمیشہ نہار منہ کھانا چاہیے۔ کالے نمک کے ساتھ تربوز کا ذائقہ مزید بڑھایا جاسکتا ہے۔

چربی کم کرنے میں مددگار

تربوز انسانی جسم کی زائد چربی کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس میں موجود امینو ایسڈ کیلوریز جلانے میں مدد دیتے (باقی صـ۱۴ پر)

ادبیات

کرم مجھ پہ ہو تاجدارِ مدینہ

اظہار افسر اسعدی

خدا را بلالو دیارِ مدینہ
کرم مجھ پہ ہو تاجدارِ مدینہ

ملوں گا بصد شوق آنکھوں سے اپنی
میسر ہو گر رہ گزارِ مدینہ

وہ آنکھیں ہیں آنکھوں سے ملنے کے قابل
جن آنکھوں نے دیکھا دیارِ مدینہ

تڑپتا ہوں دن رات عشق نبی میں
ہیں آنکھیں مری بے قرار مدینہ

مرے ساتھ آ تو سہی تو اے رضواں
دِکھا دوں تجھے آ بہارِ مدینہ

ہے خلد بریں کی بہاروں سے بڑھ کر
خدا کی قسم لالہ زارِ مدینہ

جو ابرِ کرم بن کے برسا جہاں پر
وہ افسرؔ ہے اِک آبشارِ مدینہ

بہ آوازِ بلند اعلانِ حق ہونا ضروری ہے

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوری

مزاجِ غم کی ہوتی ہے خبر آہستہ آہستہ
یہاں آتا ہے جینے کا ہنر آہستہ آہستہ

مکمل ہوتا ہے ذوقِ نظر آہستہ آہستہ
چمکتے ہیں نقوشِ معتبر آہستہ آہستہ

کہیں ایسا نہ ہو تھک کر ترے پائے طلب لوٹیں
حیاتِ مختصر، گرمِ سفر آہستہ آہستہ

بنامِ جستجو، گرمِ سفر رہنا ضروری ہے
نئی راہیں نکلتی ہیں مگر آہستہ آہستہ

جگر کے داغ کو لو دیکر قیامت ہی نہ بن جائیں
بھڑکنا اے محبت کے شرر آہستہ آہستہ

جسے توہینِ میخانہ سمجھتے ہیں نئے میکش
اُسی ساغر سے پھوٹے گی سحر آہستہ آہستہ

بہ آوازِ بلند اعلانِ حق ہونا ضروری ہے
یہ باتیں حق پرستی کی نہ کر آہستہ آہستہ

سجیں گی اب کہاں علم و ہنر کی محفلیں حافظؔ
اُٹھے جاتے ہیں اربابِ ہنر آہستہ آہستہ

تری آنکھوں کو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

وصی شاہ

سمندر میں ترتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تری آنکھوں کو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ترے کوچے سے اب میرا تعلق واجبی سا ہے
مگر جب بھی گزرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ہزاروں موسموں کی حکمرانی ہے مرے دل پر
وصیؔ میں جب بھی ہنستا تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

یہاں ظلم و جبر کے پاپ کا وہ گھڑا ابھی تو بھرا نہیں

شمس الحق شمس

میں سمندروں کا مزاج ہوں میرے دشمنوں کو پتہ نہیں
جو تڑپ جگر میں ہے موجزن وہ الم کسی سے چھپا نہیں

میرے قطرہ قطرہ لہو میں ہے نیا عزم و جاہ نیا حوصلہ
میں کھڑا ہوں دیر سے سر بکف مجھے قاتلوں سے گلہ نہیں

بڑی بے بسی کا یہ دور ہے جہاں بے حسی کا ہی راج ہے
یہاں من کی بات تو ہے مگر میرے زخم دل کی دوا نہیں

کیوں ہیں نفرتوں کی یہ آندھیاں کیوں ہیں ظلم و جبر کی داستاں
بڑی کشمکش میں ہے زندگی کوئی راہبر بھی ملا نہیں

کیوں یہ رفتہ رفتہ لمحہ لمحہ یہاں بڑھ رہی ہے عداوتیں
کیا محبتوں و خلوص کی یہاں دل میں کوئی جگہ نہیں

بڑا پرخطر ہے سفر میرا گھنے جنگل ہیں پہاڑ بھی
یہ اندھیری رات ہے ہمسفر سر راہ کوئی دیا نہیں

جو وطن کی آن و آبرو کے لیے کٹائی ہیں گردنیں
وہ مجاہدوں کی شہادتوں کا وطن میں کوئی صلہ نہیں

نہ تڑپ تو اے میرے سوز دل نہ تو تلملا ذرا صبر کر
یہاں ظلم و جبر کے پاپ کا وہ گھڑا ابھی تو بھرا نہیں

ہے وطن سے پیار سدا ہمیں ہے یقیں نصیب کے کھیل کا
نیا دور دیش میں آئے گا ابھی شمسؔ باب کھلا نہیں

جمعیۃ علماء ضلع گوالیار نے ممبر سازی سے پہلے لگایا حجامہ کیمپ

۱۱ر جولائی ۲۰۲۱ء: بروز اتوار صبح ۸ بجے سے شام ۶ بجے تک جمعیۃ علماء ضلع گوالیار کی طرف سے ایک حجامہ تھیرپی کیمپ کا انعقاد کیا گیا جس میں تقریباً ۸۰ لوگوں نے حجامہ تھیرپی سے فائدہ اٹھایا۔ یہ تھیرپی تقریباً ۳۵۰۰ سوسال پرانی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپؐ نے کئی مرتبہ حجامہ کروایا اور اپنی امت کو حکم فرمایا کہ آپ جو علاج کرتے ہو اس میں سب سے بہتر علاج حجامہ ہے اس لیے آج دنیا کے تمام ممالک میں خصوصاً چائنا میں اس کو عوام بڑے شوق سے اپنا رہے ہیں لیکن ہم سے یہ سنت چھوٹ رہی تھی اس لئے جمعیۃ علماء نے کیمپ لگا کر لوگوں کو اس سنت کے بارے میں بتانے کا سوچا، عوام نے اس کو حضورؐ کی سنت جان کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑے شوق سے حجامہ کروایا۔ جھانسی کے مشہور حجامہ تھیرپسٹ مفتی خالد ندوی صاحب کو مدعو کیا گیا۔ وہ جمعیۃ علماء ضلع گوالیار کے جنرل سکریٹری حافظ عبدالقیوم مجددی کی دعوت پر تشریف لائے اور تقریباً ۸۰ لوگوں کا حجامہ کیا جس میں خصوصی طور پر حضرت مولانا عبدالحسیب جامعی، مولانا طیب ثاقبی، حافظ عبدالحئی، حافظ یونس، مولوی عبدالباری، حافظ شبیر احمد، حافظ ضمیر احمد، مولوی لئیق، حافظ عبدالقدیم، قاری عامر، حافظ عمران، قاری افہام، جمعیۃ علماء ضلع گوالیار کے تمام ذمہ داران موجود رہے۔ مقصد یہ تھا کہ ممبر سازی کرنے سے پہلے کوئی نیک کام عوام کی خدمت کے لیے کرلیا جائے کیونکہ ایم پی کی عظیم الشان شخصیت مولانا مفتی عبدالرزاق خانؒ صدر جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش و نائب صدر جمعیۃ علماء ہند خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے انتقال کے بعد مولانا محمد احمد ناظم جامعہ اسلامیہ بھوپال کو جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش کا صدر جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اراکین جمعیۃ نے منتخب کیا اب پورے ایم پی میں ممبر سازی شروع ہو چکی ہے۔ عوام سے درخواست ہے کہ مسلمانان ہند کی مذہبی تاریخی نمائندہ تنظیم جمعیۃ علماء ہند کی ممبر سازی میں ضرور حصہ لیں۔

محمود الظفر رحمانی مرحوم کے بڑے بیٹے ڈاکٹر اسعد الظفر رحمانی جمعیۃ علماء ضلع رامپور کے ضلع صدر منتخب ہوئے

ٹانڈہ رام پور، ۱۳ر جولائی ۲۰۲۱ء: جمعیۃ علماء ضلع رامپور کی جانب سے آج کاشانہ وفا الرحمٰن جامعی پر بعد نماز مغرب ضلع صدر جناب محمود الظفر رحمانی کے انتقال کے بعد ضلع صدر کو منتخب کرنے کیلئے زیر صدارت مولانا مفتی محمد منصف رکن مجلس عاملہ مغربی اتر پردیش و نائب ضلع صدر امروہہ ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے قاری محمد یامین جنرل سکریٹری مغربی اتر پردیش نے بھی شرکت فرمائی۔ مولانا محمد فہیم قاسمی کی تلاوتِ قرآن اور قاری ریاست علی کی نعت کے بعد جلسے کا آغاز کیا گیا جس کی نظامت نائب صدر مولانا محمد عرفان قاسمی نے کرتے ہوئے جمعیۃ علماء کی خوبیوں اور کارگزاری پر روشنی ڈالی۔

قاری محمد یامین جنرل سکریٹری مغربی اتر پردیش نے کہا کہ جمعیۃ علماء سارے کام کرتی ہے مگر پھر اس پر ایک مذہبی مہر لگی ہوئی ہے۔ ہماری جماعت کو اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے جتنا جمعیۃ کے کارنامے مضبوط ہیں۔ جمعیۃ علماء کا کونسا کارنامہ ایسا ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو، انہوں نے کہا کہ آج کا ہمارا یہ اجلاس عالی جناب محمود الظفر رحمانی مرحوم کی جگہ ضلع صدر منتخب کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے۔ محمود ظفر رحمانی صاحب علماء سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، اب ان کی اولادیں ہیں، وہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلیں۔

اس کے بعد انتخابی افسر کی حیثیت سے مولانا مفتی محمد منصف نے صدر کے انتخاب کو آگے بڑھاتے ہوئے کاروائی شروع کی جس میں سب کی ایک رائے سے ڈاکٹر اسعد الظفر رحمانی کو ضلع صدر منتخب کرلیا گیا۔ نائب صدر مولانا لیاقت علی قاسمی نے کہا کہ یہ وقت متحد ہونے کا ہے اور ہم سب کو پوری ذمے اری کے ساتھ جمعیۃ کے کام کو انجام دینا چاہیے۔ مولانا ظہیر الاسلام قاسمی جنرل سکریٹری نے کہا کہ جناب محمود الظفر رحمانی کے خلا کو بھرپانا بہت ہی مشکل ہے۔ پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند اپنے کام انجام دے رہی ہے۔

اس موقع پر شہر امام اور جمعیۃ علماء ضلع رامپور کے نائب صدر مولانا محمد جلیس قاسمی، مدرسہ رحمانیہ کے نائب مہتمم قاری ماجد، ٹانڈہ جمعیۃ علماء کے صدر مولانا شوکت علی اور جنرل سکریٹری مولانا فہیم صاحب شہر رامپور کے صدر ماسٹر شاہد علی خان اور جنرل سکریٹری مولانا محمد وسیم صاحب جمعیۃ علماء لالپور کے صدر اور ضلع کے نائب صدر مولانا محمد یامین صاحب اور جنرل سکریٹری مولانا محمد احسان جمعیۃ علماء ڈڈھیال کے صدر مولانا محمد اسلم صاحب اور مولانا محمد خالد صاحب مولانا محمد سلیمان، حاجی گوہر علی، مولانا صادق علی قاری ساجد، خازن عبدالواجد قطب، حاجی فراست علی، حاجی طاہر علی، حاجی عتیق الرحمٰن، محمد عثمان سیفی، مولانا نفاست علی، محمد ریحان، حافظ محمد لقمان، حافظ انیس، حاجی محمد زبیر، حاجی عبدالرشید، نوید الظفر رحمانی، مولانا سرفراز ندوی، مولانا محمد اسلام، مولانا محمد امتیاز، ماسٹر اکرام، زاہد علی سیٹھ، حافظ محمد اقرار، جنید الظفر رحمانی، جاوید الظفر رحمانی، ڈاکٹر یعقوب، ڈاکٹر محمد ارشاد، حافظ عقیل الرحمٰن، محمد حامد، واجد خان، محمد وسیم خان، محمد عابد، محمد مستجاب، حاجی جلیس، محمد شریف، محمد مجیب ٹال والے نے شرکت فرمائی۔ دعاء مولانا مفتی منصف قاسمی نے کروائی۔

شیعہ عالم دین مولانا راجانی حسن روحانی نے مولانا سید ارشد مدنی کے امیر الہند خامس منتخب ہونے پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کی

مولانا راجانی حسن علی روحانی نے الٰہ آباد اور لکھنؤ کے دورے کے بعد دہلی واپسی پر امیر الہند جناب مولانا سید ارشد مدنی صاحب اور مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب کو نائب امیر الہند کے عہدے پر مقرر کیے جانے پر تہہ دل سے مبارک بادی پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ان کا ظاہری عہدہ ہے لیکن حقیقت میں یہ پہلے بھی امیر الہند تھے اور اب یہ بعد میں امیر الہند ہی رہیں گے۔ مولانا راجانی نے مزید کہا کہ یہ عہدے کے لیے نہیں ہیں بلکہ عہدہ ہی ان کی لئے ہیں جو کبھی ان کے دامن سے چھٹنے والا نہیں ہیں۔ مولانا راجانی نے الٰہ آباد کی ایک مجلس میں شرکت کے بعد دہلی واپسی پر لکھنو کچھ ساعت رک کر شاہ نجف حضرت گنج کا دورہ کیا اور شاہ نجف میں ایک پولیس کانسٹبل جناب گیان پرساد بہاری لال جی جو بہت دیر سے ضریح و علم و تعزیہ کو عقیدت و احترام سے چوم رہے تھے ان سے ملاقات کی۔ مولانا راجانی حسن علی روحانی نے سبطین آباد کے امام باڑے کا بھی دورا کیا اور بتایا کہ اگر مولانا کلب جواد صاحب اوقاف بچاؤ کی تحریک نہ چلاتے تو ہزاروں وسیم رضوی بڑے بڑے اوقاف کھا کر اور پیدا ہو چکے ہوتے۔ مولانا راجانی کے ہمراہ دوسرے مولانا نے بھی لکھنو کی راجہ محمود آباد کی پراپرٹی پر جہاں تبصرہ کیا وہیں پر مدرسۃ الواعظین کی خستہ حالی پر بھی اظہار افسوس کیا۔ مولانا راجانی نے کہا کہ سرزمین لکھنؤ فقط شیعوں ہی کا نہیں بلکہ پورے ہندوستانی مسلمانوں کا بہت بڑا سرمایہ ہے اور پورے ہندوستان میں تو کیا بلکہ پوری دنیا میں چل رہی بدعنوانی کے خلاف اٹھتی آواز کو یہاں سے دبایا جاتا ہیں اور پوری دنیا کے وسیم رضوی جیسے کو مدلل جواب دے کر انہیں بٹھایا جاتا ہے۔

بقیہ — منظر پس منظر

ہندوستان کے غریب عوام اس کا کچھ زیادہ ہی شکار ہیں۔ ہمارے ملک کی عوام ایک مسئلے سے ابھی نکلنے کی تگ و دو میں ہوتے ہیں کہ ان پر نئے مسائل کا پہاڑ توڑ دیا جاتا ہے۔ بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ پانی، بجلی، گیس سے جڑی پریشانیوں کی وجہ سے لوگ پہلے سے کافی پریشان ہیں لیکن ان مسائل سے اوپر بھی چند مسائل ہیں جنھوں نے عوام کا جینا مشکل کر دیا ہے اور ان مسائل میں سبقت لے جانے والا سب سے بڑا مسئلہ بے روزگاری کا ہے جس کے ہاتھوں ہمارے ملک کے غریب عوام بری طرح پٹ رہے ہیں۔ بے روزگای کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا موجود ہونا جو کام کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں، لیکن کام نہ کر رہے ہوں۔ ہندوستان میں معاشی بحران کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اپنے کام میں عدم دلچسپی بھی بیروزگاری کا ایک اہم سبب ہے۔ جس کی وجہ سے کمپنیز پرانے ملازموں کو نکال کر نئے ملازمین کو بھرتی کر لیتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بے روزگاری کی شرح کافی بڑھ چکی ہے اور اس میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بیروزگاری کی یہ شرح ہندوستان کے بڑے شہروں میں، چھوٹے شہروں اور دیہاتوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے، کیونکہ آج کل لوگ دیہاتوں سے اپنا سب کچھ بیچ کر شہروں میں سہولیات اور روزگار کی تلاش میں آتے ہیں اور نتیجتاً بے روزگاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بے روزگاری اور اس جیسے دوسرے مسائل نے لوگوں کو ڈپریشن اور ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا کر دیا ہے اور ان بیماریوں کا شکار زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں جو حال ہی میں بے روزگار ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کو ایک طرف ملازمت سے نکالے جانے کا دکھ ہوتا ہے تو دوسری طرف نئی ملازمت کی تلاش، ایسے میں کوئی بھی شخص اپنے حواس کھو سکتا ہے، لیکن ایسے افراد کو ان حالات میں حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے بلکہ ان سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے نیز اپنے خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے جس نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن دیکھا جا رہا ہے کہ جہاں کورونا سے متاثر لوگ موت کا شکار ہو رہے ہیں وہیں اُن کے ساتھ ساتھ غریبوں بے روزگار لوگوں کی اموات بھی بڑھ رہی ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ذہنی تناؤ کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے کیونکہ ذہنی تناؤ ہارٹ اٹیک کے امکانات کو بڑھا دیتا ہے۔ ساتھ ہی ایسے لوگ خودکشی کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں، ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔ ◻◻

بقیہ — کیا اسلام میں جبراً....

کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اور نہ اس کی لاٹھی میں آواز ہے۔

چونکہ اس طرح کے تمام معاملات میں درحقیقت اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے اور اپنی جہالت سے اس کو دہشت گردی کا مذہب کہا جاتا ہے، اور تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قوم کے طور پر ثابت کیا جا رہا ہے۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ حضرت محمدؐ کی وہ ہدایات جو آپ نے اسلامی ملک میں بسنے والے غیر مسلموں کے بارے میں دی ہیں لوگوں کے سامنے پیش کر دوں تاکہ اس کو دیکھتے ہوئے ہندوستان میں آپ آج کی صورتحال میں اسلام مذہب کے خلاف پروپیگنڈے اور پڑھے لکھے مسلمانوں پر لگائے گئے الزامات کی حقیقت کے بارے میں فیصلہ کر سکیں اور یہ جان سکیں کہ چند مسلم جوانوں کی زندگی خراب تو کی جا سکتی ہے، لیکن اس میں ملک یا انسانیت کی کوئی قابل قدر خدمت نہیں کی جا سکتی، جبکہ آج دنیا اس کی محتاج ہے۔ ◻◻

بقیہ — آئینی حقوق اور.....

کی جاتی تھی جو اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتے تھے۔ ایسے لوگ سارے قانونی تقاضے پورے ہونے پر اسلام قبول کرتے تھے اور اس کا ان کو ملک کے دستور کے تحت حق حاصل ہے لیکن حسب دستور گودی میڈیا کی اچھل کود دیکھنے کے لائق بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ اسلام یا مسلمان سے متعلق کسی بھی موضوع پر ہوتا ہے۔ انھیں بدنام کرنے میں گودی میڈیا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے، ان کا تعلق پاکستان، آئی ایس آئی سے لے کر لشکر طیبہ تک سے جوڑ دیا گیا ہے اور دہشت گرد تک کہا جا رہا ہے۔ ان پر غیر ملکی ایجنسیوں سے پیسہ لے کر تبدیلی مذہب میں استعمال کرنے کا الزام بھی لگایا گیا ہے اور اس سلسلے میں ای ڈی نے دہلی میں ایک کیس بھی درج کیا ہے۔

تبدیلی مذہب قانون کے مطابق لالچ دے کر، خوفزدہ کر کے یا دھوکہ دے کر مذہب تبدیل کرانا جرم ہے لیکن ان لوگوں کے متعلق ابھی تک کسی نے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں کی ہے۔ تبدیلی مذہب قانون ہونے کے باوجود ان پر قومی سلامتی ایکٹ، گینگسٹر ایکٹ کی دفعات لگائی گئی ہیں بلکہ ان کی جائیداد ضبط کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ان دونوں اسلامی شخصیات پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں اس کا فیصلہ تو عدالت کرے گی ہی لیکن میڈیا کے ذریعہ ان کی جو کردار کشی کی جا رہی ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ ◻◻

بقیہ — تربوز دل کی بیماریوں....

ہیں۔ جسم میں پانی کی مقدار مناسب سطح پر رکھنے، خصوصاً توند سے نجات میں کامیابی کے لیے تربوز کا استعمال مفید قرار دیا جاتا ہے۔ تربوز کا جوس جسم کو ہائیڈریٹ رکھتا ہے۔ ماہرین پیٹ کی چربی کم کرنے کے لیے خاص طور پر اس مشروب کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں۔ تربوز میں موجود خاص سیلز ایسی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتا ہے جو جسم پر چربی بننے کا سبب بنتی ہیں۔

گرمی دور کرنے کا ذریعہ

تربوز کا استعمال گرمی کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ چونکہ انسان کو گرم موسم میں پیاس زیادہ لگتی ہے اور وہ پانی کا استعمال زیادہ کرتا ہے، تاہم اس کے باوجود انسانی جسم میں پانی کی کمی رہ جاتی ہے، لیکن ماہرین صحت کے مطابق تربوز میں ایسی جزئیات پائی جاتی ہیں جو نہ صرف گرمی کم کرنے میں مدد دیتی ہیں، بلکہ وہ انسانی جسم میں پانی کی نمکیات کو بھی کنٹرول کرتی ہیں۔

بیج بھی فائدہ مند

کیا آپ جانتے ہیں کہ تربوز کے ساتھ ساتھ اس کے بیج بھی صحت کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق ان بیجوں میں غذائی اجزاء کے ساتھ ساتھ مختلف صحت بخش فوائد بھی ہیں۔ ماہرین کے مطابق تربوز کے بیج پروٹین سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ان بیجوں میں اہم معدنیات، فاسفورس، آئرن، پوٹاشیم، سوڈیم، کاپر، میگنیز اور زنک شامل ہوتے ہیں۔ اب اگلی دفعہ جب بھی آپ تربوز کھائیں تو اسے بیجوں سمیت کھائیں یا بیج نہیں کھا سکتے تو اس کے بیج دھو کر سکھا کر سنبھال کر رکھ لیں، تربوز کے بیج میں پروٹین وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ جو لوگ علیحدہ سے پروٹین نہیں لے پاتے تو وہ ان بیجوں کے ذریعہ اور پروٹین کی صحیح مقدار لے سکتے ہیں۔ ◻◻

بقیہ — عشرۂ ذی الحجہ میں...

فرمایا کہ انسانی زندگی کا مقصد اطاعت الٰہی ہے، جو تقرب الٰہی اور کیفیت تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں اور یہ تقرب الٰہی، کیفیت تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی لہٰذا اطاعت کیلئے قربانی ضروری ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو مقصود ان جانوروں کا خون یا ان کا گوشت نہیں بلکہ وہ اپنے بندوں کا تقویٰ دیکھنا چاہتا ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کس قدر یقین رکھتے ہیں؟ اس کے احکام کی کس قدر پابندی کرتے ہیں اور کس طرح وقت ضرورت قربانی پیش کرنے کو تیار رہتے ہیں؟ مولانا مفتاحی نے فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کا مقصد بھی جذبۂ قربانی کو بیدار کرنا اور اپنی عزیز سے عزیز تر چیز کو حکم ربانی کے مطابق رضائے الٰہی کے حصول میں قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا یہی قربانی ہے۔ اس سے ان کو یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی مقصدِ زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی خواہشات پر رب کائنات کی مرضیات کو ترجیح دے۔ یہ دراصل انسان کی عملی زندگی کا ایک امتحان ہے، جس سے اس کے اندر نکھار اور حسن پیدا ہوتا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر دونوں اکابرین حضرت مفتی محمد شفیق احمد قاسمی صاحب اور حضرت مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی صاحب نے مرکز تحفظ اسلام ہند کی خدمات کو سراہتے ہوئے خوب دعاؤں سے نوازا۔ ◻◻

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

نجف گڑھ دہلی کے سرس پور خالصہ میں مسلم باشندوں سے کالونی خالی کرانے کے شرانگیز ویڈیو سامنے آنے کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے مقامی ڈی سی پی سے ملاقات کی اور سخت کارروائی کا مطالبہ کیا

۱۶ جولائی: مبینہ طور سے ہندو آرمی کے ذریعہ نجف گڑھ (سرس) کے علاقہ میں مسلمانوں سے مکان خالی کرانے کی اپیل کے بعد علاقہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی تھی۔ اس کے مدنظر جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا محمود مدنی کی ہدایت پر تنظیم کے ایک وفد نے ڈی سی پی دوارکا سکٹر سنتوش کمار مینا سے ملاقات کی۔

وفد نے اس سلسلے میں ڈی سی پی صاحب کو ایک یادداشت بھی پیش کیا۔ اس موقع پر وفد کا حصہ رہے سپریم کورٹ کے وکیل ایڈووکیٹ محمد نوراللہ نے ڈی سی پی کو بتایا کہ اس طرح کے واقعہ سے علاقے کے پرامن ماحول کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ویڈیو کے مطابق (جو کہ ہندو آرمی کے نام سے بنائے گئے فیس بک پیج پر بھی لوڈ ہے اور جسے بہت سارے شرپسندوں نے لائک بھی کیا ہے) ۱۰؍جولائی ۲۰۲۱ء کو مبینہ طور سے ہندو آرمی سے تعلق رکھنے والے مقامی لوگوں کے ایک گروپ نے اس علاقے میں ایک ریلی نکالی اور مسلم رہائشیوں کے خلاف مہم چلائی۔ انہوں نے مقامی مسلمان باشندوں کو دھمکی دی کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس جگہ کو چھوڑ دیں۔ اس ویڈیو کے منظر عام پر آنے کے بعد مقامی مسلموں کے علاوہ ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے وفد کو متاثرہ علاقے کے مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کے شرپسندوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جو علاقے میں امن کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اگر پولیس مناسب قانونی کاروائی کرتی ہے تو آسانی سے اس صورتحال پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

مقامی لوگوں کی طرف سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خوف اور تشدد کی وجہ سے کچھ خاندان پہلے ہی اس جگہ سے چلے گئے ہیں۔ وفد نے مسلم مخالف نفرت انگیز مہم پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور ان متاثرہ خاندانوں کے معاملات اٹھائے جو لاچار محسوس کر رہے ہیں اور متعلقہ پولیس محکمہ سے فوری مداخلت کی اپیل کی۔

صورتحال کی سنگینی کو جاننے پر، ڈی سی پی سنتوش کمار مینا نے فوری طور پر متعلقہ تھانہ کے ایس ایچ او سے بات چیت کی اور پوری تفصیل جاننے کی کوشش کی۔ ڈی سی پی صاحب نے اس سلسلے میں مجرموں کے خلاف سخت کارروائی کی یقین دہانی کرائی۔ جمعیۃ کے وفد میں ڈاکٹر اظہر علی، فرقان چودھری اور ایڈوکیٹ محمد نوراللہ شامل تھے۔

عشرۂ ذی الحجہ میں عبادت کا خاص اہتمام کریں

مرکز تحفظ اسلام ہند کے آن لائن ہفت روزہ کانفرنس سے مفتی ہارون ندوی اور مولانا احمد ومیض ندوی نقشبندی کا خطاب

بنگلور، ۱۶؍جولائی: مرکز تحفظ اسلام ہند کے زیر اہتمام منعقد آن لائن ہفت روزہ کانفرنس بسلسلہ عشرۂ ذی الحجہ وقربانی کی دوسری نشست سے خطاب کرتے ہوئے جمعیۃ علماء جلگاؤں کے صدر اور وائرل نیوز کے ڈائریکٹر حضرت مولانا مفتی ہارون ندوی صاحب نے فرمایا کہ قربانی اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ اسی لئے اس عمل کو بڑی فضیلت اور اہمیت حاصل ہے۔ بارگاہ الٰہی میں قربانی پیش کرنے کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ہی چلا آ رہا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ قربانی کا عمل ہر امت میں مقرر کیا گیا۔ البتہ اس کے طریقے اور صورت میں کچھ فرق ضرور رہا ہے۔ انہی میں سے قربانی کی ایک عظیم الشان صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو عیدالاضحیٰ کی قربانی کی صورت میں عطاء فرمائی ہے جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔ اور اسی کی یادگار کے طور پر امت محمدیہ پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔ مولانا ندوی نے فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کے نماز کے بعد قربانی ادا کی جاتی ہے اور مسلمانان عالم کو قربانی کا فریضہ سرانجام دے کر اتنی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ سارے سال میں کسی اور دن نہیں ہوتی لیکن ادھر کچھ دنوں نے ہمارے ملک میں بعض فرقہ پرست لوگ یہ غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں کہ جس شخص پر قربانی واجب ہو، اس کی طرف سے قربانی کے دنوں میں جانور ذبح کرنے کے بجائے بہ قدر قربانی نقد قیمت صدقہ کرنا چاہیے یا جانوروں کی قربانی کے بجائے مٹی کے بکرے ذبح کر کے علاماتی طور پر قربانی انجام دینے پر اکتفا کریں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ان حضرات کو سمجھ لینا چاہئے کہ قربانی شعائر اسلام میں ہے اور ملک کے دستور نے ہمیں ہمارے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی دی ہے اور یہ ہمارا جمہوری حق بھی ہے۔ اور علاماتی قربانی کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ قربانی کرنا محض گوشت کھانے کے لیے نہیں بلکہ یہ خدا اور سول کے احکام وسنت کی اتباع ہے۔ جس کی ادائیگی سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اس موقع پر مفتی ہارون ندوی نے ذی الحجہ اور قربانی کی تاریخ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

آن لائن ہفت روزہ کانفرنس بسلسلہ عشرۂ ذی الحجہ وقربانی کی تیسری نشست سے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم حیدرآباد کے استاذ حدیث حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی نقشبندی صاحب نے فرمایا کہ قمری کیلنڈر کا آخری مہینہ ذی الحجہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے ان دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی شے کی قسم کھانا اس کی عظمت وفضیلت کی واضح دلیل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ اسلام میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا ندوی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں کو سب سے اعلیٰ وافضل قرار دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ذی الحجہ کے دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل جتنا محبوب ہے اس کے علاوہ دیگر دنوں میں نہیں۔ مولانا نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ ”اور دنوں میں بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا ذوالحجہ کے عشرہ میں محبوب ہے، اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں“۔

مولانا نقشبندی نے فرمایا کہ حج جیسی عظیم عبادت بھی اسی عشرہ میں انجام دی جاتی ہے۔ اور حج کے بعد مسلمانوں کی دوسری بڑی عید، عیدالاضحیٰ بھی ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو ہوتی ہے۔ نیز قربانی جیسا عظیم عمل بھی اسی مہینے میں انجام دیا جاتا ہے۔ مولانا احمد ومیض ندوی نے فرمایا کہ یوں تو ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہی قابل احترام ہے لیکن اس کے ابتدائی دس دن تو بہت ہی فضیلت اور عظمت والے ہیں، جن میں بڑی بڑی عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں یعنی نماز، روزہ، حج اور قربانی۔ ان تمام خصوصیات کی بناء پر ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی اہمیت اور افضلیت دو چند ہو جاتی ہے۔ یہ ایام اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے، ہمیں ان بابرکت ایام میں بڑھ چڑھ کر نیک اعمال کرنا چاہیے، بالخصوص ذکر اللہ کی کثرت، نفلی روزے، رات کا قیام، نوافل کا اہتمام، تلاوت قرآن، صدقہ وخیرات، عرفہ کا روزہ اور قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا مفتی ہارون ندوی صاحب اور حضرت مولانا سید احمد ندوی نقشبندی صاحب نے مرکز تحفظ اسلام ہند کی خدمات کو سراہتے ہوئے خوب دعاؤں سے نوازا۔

۱۷؍جولائی کو چوتھی نشست سے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ حضرت مولانا مفتی محمد شفیق احمد قاسمی صاحب نے فرمایا کہ قربانی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ماہ ذی الحجہ کو بڑی فضیلت سے نوازا ہے۔ قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور ہر صاحبِ نصاب عاقل بالغ مسلمان کے ذمہ قربانی کرنا واجب ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر ایک گھر میں متعدد صاحبِ نصاب افراد ہوں تو ایک قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، بلکہ گھر میں رہنے والے ہر صاحبِ نصاب شخص پر الگ الگ قربانی کرنا لازم ہوگی۔ کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ نصاب پر مستقل علیحدہ قربانی کرنا واجب ہے۔ مولانا قاسمی نے متعدد احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہؐ کا عمل مبارک بھی یہ تھا کہ آپؐ اپنی قربانی الگ فرمایا کرتے تھے اور ازواجِ مطہرات کی طرف سے الگ قربانی فرمایا کرتے تھے، اور آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قربانی مستقل طور پر ہوتی تھی، چنانچہ اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ ایک قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہے۔ مفتی شفیق احمد قاسمی نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانہ میں غربت عام ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک گھر کے اندر ایک ہی شخص صاحبِ نصاب ہوتا تھا، اس وجہ سے پورے گھر میں ایک ہی شخص کے ذمہ قربانی واجب ہوتی تھی، باقی لوگوں کے ذمہ صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہی نہ ہوتی تھی، اس لیے پورے گھر میں سے صرف ایک ہی آدمی قربانی کیا کرتا تھا، لیکن قربانی کرنے والا اپنے گھر کے تمام افراد کو اس قربانی کے ثواب میں شریک کر لیتا تھا۔ مفتی شفیق احمد قاسمی نے فرمایا کہ خلاصہ یہ ہے کہ گھر میں متعدد صاحبِ نصاب افراد ہونے کی صورت میں تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ گھر کے ہر صاحبِ نصاب فرد پر اپنی اپنی قربانی کرنا واجب اور لازم ہے، گھر کے کسی ایک فرد کے قربانی کرنے سے باقی افراد کے ذمہ سے واجب قربانی ساقط نہیں ہوگی۔

پانچویں نشست سے خطاب کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور کے بانی، مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی صاحب نے فرمایا کہ قرب الٰہی کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت ضروری ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی اور دیگر اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا انتہائی مستند اور مفید ذریعہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل کرنے کے لیے ہی اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول فرمانے کے بعد عظیم بشارت سے سرفراز کیا اور یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ رہتی دنیا تک اس کو برقرار رکھا۔ مولانا نے فرمایا کہ قربانی ایک عظیم عبادت اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ایک بہترین ذریعہ ہے جو قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ مولانا نے (باقی صـ۱۴ پر)

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

ہندوستان میں جمہوریت کا استحکام کیونکر ممکن ہوا؟

مکرمی! ہندوستان جیسے زیر ترقی اور مختلف تضادات کے حامل ملک میں ۷۰ سال تک پارلیمنٹ کا کام کرتے رہنا اور اس کے تحت جمہوریت وجمہوری روایات کا برقرار رہنا کسی معجزے سے کم نہیں ہے جبکہ ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں میں دوری پہلے سے بڑھی ہے، امیر وغریب کے فرق میں بھی اضافہ ہوا ہے اور سیاسی شعبدہ بازی کے طفیل یہاں ایسی پارٹیوں کو طاقت وبرتری ملتی رہی ہے جنہیں ملک اور اس کی جمہوریت سے زیادہ اپنی پالیسی وپروگرام کو بروئے کار لانے کی فکر ہے، اس عرصہ میں تمام تر دعوؤں کے باوجود نہ تو تعلیم کو کوئی واضح سمت مل سکی، نہ دوسرے اہم میدانوں میں قابلِ اطمینان کام انجام پا سکے، اس کے بجائے بدعنوانی کا بول بالا ہوا ہے۔ جمہوریت کے اس تحفظ میں سب سے اہم کردار مہاتما گاندھی کے بتائے ہوئے اس طریقے نے ادا کیا جس کے تحت عوامی احتجاج کے پرامن طریقہ سے ملک نے آزادی حاصل کی، اس طرح جمہوریت کو جس اہم بنیاد کی ضرورت تھی وہ اسے اول مرحلہ میں ہی فراہم ہوگئی، اس کے برخلاف ہندوستان نے تشدد کی راہ سے آزادی حاصل کی ہوتی تو یہاں جمہوریت کسی بھی وقت آمریت میں تبدیل ہو سکتی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی قیادت میں انڈین نیشنل کانگریس نے ایک ایسی تنظیم کی حیثیت حاصل کر لی جس کے شہروں سے لیکر دیہی علاقوں تک لاکھوں کارکن سرگرم عمل تھے، اس طرح جس وقت آزادی ملی، اس وقت کانگریس وہ جماعت بن گئی جو ملک کو جمہوریت کی راہ پر گامزن رکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی، اس کے علاوہ اپنی تنظیمی ساخت کے لحاظ سے نیچے سے اوپر کی طرف جاتی تھی اور سیاسی کارکنوں کی تربیت کا بہت بڑا وسیلہ تھی، پرانی نسل کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایسے متعدد مباحثے یاد ہوں گے جن میں کانگریس کے نوجوان اور پرجوش ارکان نے نہ صرف جواہر لال نہرو، سردار پٹیل بلکہ مہاتما گاندھی کے خیالات وپروگرام کو ہدف تنقید بنانے کی جرأت کی خود گاندھی جی نے اس پر جس برداشت کا مظاہرہ کیا، وہی جمہوریت کا سب سے بڑا سبق تھا، جس میں اختلافِ رائے کی مکمل آزادی اور اس کے احترام کا جذبہ بھی شامل ہوتا تھا۔ اس سلسلہ کی تیسری بات جدوجہد آزاد کے آغاز سے لیکر آزادی کے حصول تک عوامی زندگی میں جمہوری اور اخلاقی قدروں کا باقی رہنا ہے، جس میں اصولوں کو اپنی مطلب براری کے لئے نہیں بلکہ اس کی اصل روح کے ساتھ اپنایا گیا تھا، مذکورہ تینوں سمتوں کے لحاظ سے آزادی کی سات دہائیوں کے دوران جو پستی آئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور اس گراوٹ نے ملک میں جمہوریت کے مستقبل پر سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔ ملک کے وزیراعظم خواہ کتنی ہی طاقت سے یہ نعرہ لگائیں کہ ہندوستان کی جمہوریت کو کوئی خطرہ نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوری اداروں کا جس طرح زوال ہو رہا ہے، ان کی کارکردگی کا معیار گر رہا ہے، عوامی مفاد بالخصوص کمزوروں اور اقلیتوں کو جارج ہندوفرقہ پرستی جس طرح نشانہ بنا رہی ہے اس کے پیش نظر صورتحال قطعی اطمینان بخش نظر نہیں آتی۔ آج پارلیمنٹ کو کام کرتے ہوئے ۷۰ سال ہو رہے ہیں، اس موقع پر ضرورت ہے کہ سنہرے الفاظ وجذبات کا دریا بہانے کے بجائے، جمہور کے نمائندے اپنی جمہوریت کے سفر کا احتساب کریں اور یہ دیکھیں کہ اس عرصہ میں انہوں نے کیا کھویا کیا پایا ہے؟

اس عرصہ میں ملک نے مختلف میدانوں میں جو ترقی کی ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خاص طور پر صنعتی ترقی کا اپنوں کو ہی نہیں پرایوں کو بھی اعتراف ہے، کل کارخانوں کا پھیلاؤ، سبز انقلاب اور ضرورت کی دیگر اشیاء کی دستیابی کے باوجود بھکمری بھی بڑھ رہی ہے، غریبی اور بیکاری برقرار ہے، نئی اقتصادی پالیسی نے رہی سہی کسر پوری کر دی، گذشتہ گیارہ برسوں میں بیرونی سرمایہ کاری سے زیادہ ملک کی دولت باہر جانا شروع ہوگئی ہے، ترقی کی رفتار، صنعتی پیداوار بڑھ رہی ہے لیکن کسان بے چین وپریشان ہیں۔ یہ پارلیمنٹ کا کام ہے کہ وہ اس پر توجہ دے کر اصلاحِ حال کی فکر کرے، خصوصیت سے ملک میں جمہوریت اور اخلاقی قدروں کی آبپاری پر توجہ دے، تاکہ آج تک جو نقصان ہوا اس کا مداوا ہو سکے یہ کام صرف سیاست دانوں کا نہیں بلکہ ان سب کا ہے جو جمہوریت اور اس کے اصولوں پر یقین رکھتے ہیں اور ملک میں اس کی بقاء کو ناگزیر تصور کرتے ہیں۔

مہنگائی میں اضافہ پر کنٹرول کریں

مکرمی! نیوٹن کا نظریہ ہے کہ جو شئے اوپر جاتی ہے اس کا زمین کی کشش سے نیچے گرنا ضروری ہے لیکن گرانی اور غیر محسوب دولت کی حد تک یہ نظریہ درست ثابت نہیں ہوا ہے کیونکہ آزادی کے بعد سے آج ۷۴ سال ہو گئے ہیں، اس مدت میں سوائے مختصر سے درمیانی عرصہ کے جب رفیع احمد قدوائی مرحوم ہندوستان کے وزیر غذا تھے، قیمتوں میں جب بھی اضافہ ہوا وہ اوپر اٹھیں تو نیچے نہیں گریں۔ اسی طرح سیاہ دولت کی قومی معیشت پر گرفت اتنی مضبوط ہوگئی ہے کہ اس نے متوازی معیشت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ قیمتوں میں اس اضافہ سے جو طبقہ سب سے زیادہ مصیبت کا شکار ہے وہ نچلا متوسط طبقہ ہے، جس کی آمدنی کے مقابلہ میں اشیائے صرف کی قیمتیں ہر ماہ بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح یومیہ اجرت پانے والے اور غریبوں کو بھی سخت دشواری کا سامنا ہے۔

آج ضرورت اس کی ہے کہ تین محاذوں پر گرانی کا مقابلہ کیا جائے۔ اوّل ضروری اشیا کی پیداوار کو بڑھایا جائے، دوم تقسیم کا نظام درست کیا جائے، سوم روزگار کے مواقع بڑھائے جائیں تاکہ عام لوگوں کی قوتِ خرید میں اضافہ ہو کیونکہ اگر قوتِ خرید کم ہوگی تو گرانی کم ہونے کے باوجود ناقابل برداشت ہو سکتی ہے، جہاں تک زرعی پیداوار کا سوال ہے تو بعض علاقوں میں سوکھے یا سیلاب کے باوجود وہ اتنی کم نہیں ہوئی کہ تشویشناک بن جائے، پھر بھی گراں قیمت پر گیہوں کا فروخت ہونا یہی ظاہر کرتا ہے کہ منافع خوری بڑھ گئی ہے، اس پر قابو پانا حکومت وانتظامیہ کی ذمہ داری ہے، مرکزی سرکار اپنے گوداموں میں جمع غلہ بازار میں لاکر عوام کو راحت پہنچا سکتی ہے۔

م۔ احمد دہلی

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 16 July 2021 Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر م-ع-ج-

• بڑوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے • بچوں کو ویڈیو گیم سے بچائیں

• بے روزگار نوجوانوں میں دل کی بیماری کا خطرہ

بڑوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

آج کی اس مشینی زندگی کی دوڑ نے احترام انسانیت کے معانی ہی ختم کر دیے ہیں۔ اخلاق و اقدار کے پیمانے بالکل بدل چکے ہیں۔ کسی کے تئیں کام آنا، ہمدردی، غمگساری، دکھ درد میں شرکت، اپنوں اور قرابت داروں کے ساتھ بہترین سلوک یہ انسانی اقدار قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ غیروں کے ساتھ ہمدردی تو چھوڑ دیجئے اپنوں کے دکھ درد میں شرکت کے لئے بھی فرصت نہں رہی، ماں باپ جو انسانی وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، ان کے لئے وقت کا فارغ کرنا انسان کے لئے دشوار ہو چکا ہے۔ جب والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو انہیں اولڈ ایج ہوم اور بیت المعمرین کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، جہاں ان کی کفالت کی جاتی ہے لیکن

آدمی یہ تصور نہ کرے کہ یہ رزق اور معاش جو اسے حاصل ہو رہا ہے، وہ اس کے قوت بازو کی کمائی ہے بلکہ شریعت اور اسلام نے یہ بتایا ہے کہ تم لوگوں کو جو رزق حاصل ہو رہا ہے یہ تمہارے کمزور اور ناتواں لوگوں کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے۔ آپؐ نے مذکورہ فرمان کے ذریعہ اس تصور کو یکلخت ختم کر دیا کہ بوڑھے صرف کھاتے ہیں کماتے نہیں۔

ضعیف اور معمر حضرات کے ساتھ یہ سلوک اسلامی تعلیمات کے عین مغائر ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تصور دیا ہے کہ آدمی یہ تصور نہ کرے کہ یہ رزق اور معاش جو اسے حاصل ہو رہا ہے، وہ اس کے قوت بازو کی کمائی ہے بلکہ شریعت اور اسلام نے یہ بتایا ہے کہ تم لوگوں کو جو رزق حاصل ہو رہا ہے یہ تمہارے کمزور اور ناتواں لوگوں کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے۔ (بخاری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ فرمان کے ذریعہ اس تصور کو یکلخت ختم کر دیا کہ بوڑھے صرف کھاتے ہیں کماتے نہیں، بلکہ یہ تصور دیا کہ جو بھی اللہ کے خزانے سے رزق تمہیں حاصل ہو رہا ہے، یہ تمہارے انہیں بزرگوں، کمزوروں اور بوڑھوں کی وجہ سے مل رہا ہے، اس لئے ان کے وجود کو اپنے گھر کے لئے رحمت خداوندی تصور کرو۔ ضعیفوں کی شرعاً کفالت واجب ہے، اگر وہ ماں باپ ہیں اور کسب معاش کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تب بھی بال بچوں پر ان کی ضروریات کی تکمیل واجب ہے۔ اگر دیگر رشتہ دار ہیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو قریب ترین رشتہ دار ان کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر خود ان کے اندر کمانے اور ضرورت کی تکمیل کی صلاحیت ہو تو ان کی ذمہ داری دوسروں پر نہیں۔ بڑھاپے میں آدمی یہ چاہتا ہے کہ چھوٹے ان کے ساتھ اکرام کا معاملہ کریں۔ اسلام نے ان کے ان جذبات کا احترام کیا ہے، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی رعایت کرتے ہوئے تعظیم کرے گا تو جب وہ نوجوان اس عمر کو پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی ویسا ہی تعظیم کرنے والا مہیا کرے گا۔ حدیث کے بموجب ہمارے بڑوں اور معمرین کے ساتھ ہمارا جو رویہ ہوگا وہی سلوک ہماری اولادیں اور نسلیں ہمارے ساتھ کریں گی۔

بچوں کو ویڈیو گیم سے بچائیں

وقت کے ساتھ ساتھ نہ صرف کمپیوٹر گیموں میں جدت آتی گئی بلکہ یہ بتدریج سستے ہوتے گئے اور اب یہ حال ہے کہ غریب گھرانوں کے لوگ بھی ان گیموں کے خریدار ہیں اور ملک کے چھوٹے چھوٹے علاقوں، کچی بستیوں، چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات میں بھی بچوں کے لئے کمپیوٹر گیم کی سہولت موجود ہے، جہاں چھوٹی چھوٹی دکانوں، ہوٹلوں، کیبنوں، حتیٰ کہ ٹھیلوں پر بھی یہ گیم فروخت کے لئے لگا دیے گئے ہیں۔ آج کل بازار میں ۱۰ ہزار سے زائد مختلف انواع و موضوعات پر مبنی کمپیوٹر گیم موجود ہیں۔ ان میں بہت سے گیم بچوں اور بڑوں کو صاف ستھری تفریح اور مختلف موضوعات پر بھرپور معلومات فراہم کر رہے ہیں۔ بازار میں ایسے گیم بھی دستیاب ہیں جن کو کھیلنے سے ذہنی ورزش ہوتی ہے یا قوت فیصلہ کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے گیم بھی موجود ہیں جن سے طالب علموں بالخصوص آئی ٹی کے شعبے سے وابستہ لوگوں کو معلومات فراہم ہوتی ہیں یا یہ گیم ان کے شعبے میں ان کے لئے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن مارکیٹ میں دستیاب سارے گیم مثبت خصوصیات کے حامل نہیں۔ مارکیٹ میں ان گنت کمپیوٹر گیم موجود ہیں جن میں کھلے عام قانون کی خلاف ورزیاں دکھائی جاتی ہیں۔ ان کے مناظر تشدد سے بھرپور ہوتے ہیں اور ان میں جنسی جرائم کی عکاسی بڑے پرکشش انداز میں کی جاتی ہے۔ عام طور پر ان گیموں میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ بڑی لغو اور گھٹیا ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ ایک ایسا تباہ کن سلسلہ شروع ہو چکا ہے جو ہماری نئی نسل کو اخلاقی طور پر تباہ کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ متاثر ہونے والے بچے دس سے پندرہ برس کی عمر کے ہیں۔ امریکہ میں کی گئی ایک ریسرچ کے مطابق ۸۰ فیصد نوجوان ایسے گیموں کے کھیلنے کو ترجیح دیتے ہیں جو تشدد سے بھرپور ہوتے ہیں، نیز یہ مختلف قسم کے جرائم پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایک امریکی ماہر نفسیات نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کمپیوٹر گیم کو محض کھیل سمجھتے ہیں لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کو غلط سمت لے کر جا رہے ہیں اور ہم اپنے بچوں کو کمپیوٹر گیم کے ذریعہ وہ سب کچھ سکھا رہے ہیں جیسے کوئی شخص شاید حقیقی زندگی میں ۶۰ سال تک ہتھیار کا میگزین لوڈ کرنا نہ سیکھ پائے لیکن کمپیوٹر کی مدد سے وہ نہ صرف جدید ہتھیاروں کے استعمال میں مہارت حاصل کر لیتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانوں اور دوسری جاندار اشیاء کو گولیوں سے چھلنی کرنا بھی سیکھ لیتا ہے۔

بازار میں ایسے گیم بھی دستیاب ہیں جن کو کھیلنے سے ذہنی ورزش ہوتی ہے یا قوت فیصلہ کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے گیم بھی موجود ہیں جن سے طالب علموں بالخصوص آئی ٹی کے شعبے سے وابستہ لوگوں کو معلومات فراہم ہوتی ہیں یا یہ گیم ان کے شعبے میں ان کیلئے مددگار ثابت ہوتے ہیں لیکن مارکیٹ میں دستیاب سارے گیم مثبت خصوصیات کے حامل نہیں۔

۱۹۷۶ء میں جب ارتھ ریس نامی فائٹنگ گیم مارکیٹ میں آیا تو امریکی عوام نے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا۔ یہ گیم تشدد اور جرائم پر مبنی تھا لیکن آج کل فائٹنگ گیموں میں بدترین تشدد اور جرائم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان گیموں کی تعداد ہزاروں میں ہے اور ان کی سی ڈیز سے دکانیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی ان کے خلاف احتجاج کرنے کو تیار نہیں۔

دہلی فساد کے ایک اور ملزم عمران کو چودہ مہینوں بعد ضمانت ملی

جمعیۃ علماء ہند کی قانونی کاوشوں سے اب تک تین سو سے زائد مقدمات میں ضمانت مل چکی ہے

نئی دہلی، ۱۵؍جولائی: جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا محمود مدنی کی قیادت میں جمعیۃ نے ایک سال سے زائد مدت تک دہلی فساد متاثرین کی بازآبادکاری کا کام کیا ہے۔ اب اس کا فوکس فساد زدہ علاقوں میں پولیس کی یک طرفہ کارروائی کے شکار مظلوموں کے مقدمات کی پیروی پر ہے۔ اسی کے تحت بدھ کو کڑکڑڈوما کورٹ میں ایڈیشنل سیشن جج جسٹس امیتا بھراوت کی عدالت نے عمران عرف چیرا کو ضمانت دینے کا فیصلہ سنایا ہے۔ عمران کی طرف سے عدالت میں جمعیۃ علماء ہند کے وکیل ایڈوکیٹ سلیم ملک پیش ہوئے جبکہ پبلک پراز یکیوٹر کے طور پر ایڈوکیٹ سلیم احمد پیش ہوئے۔ اس مقدمہ میں ملزم کو ۶؍اپریل ۲۰۲۰ء کو گرفتار کیا گیا تھا، اس کے پاس سے مبینہ طور سے فساد میں استعمال کی گئی پستول برآمد ہوئی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند اور سرکاری وکیل کے موقف کی سماعت کے بعد ۱۴؍جولائی کو جسٹس امیتا بھراوت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اس مقدمے میں چارج شیٹ داخل کر دی گئی ہے تاہم حاصل کردہ پستول کی ایف ایس ایل رپورٹ اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر کہ موجودہ وقت میں اس مقدمے کے فیصلے میں کافی وقت لگے لگا۔ نیز اس مقدمہ میں بھی شریک ملزموں کو پہلے ہی ضمانت مل چکی ہے۔ اس لیے عدالت پیریٹی کی بنیاد پر ملزم کو کچھ شرطوں کے ساتھ ضمانت پر آزاد کرنے کا حکم دیتی ہے۔

اس فیصلے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے قانونی معاملات کے نگراں ایڈوکیٹ نیاز احمد فاروقی نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند کی لگاتار قانونی پیروی سے تاحال تین سو سے زائد مقدمات میں ضمانت مل چکی ہے۔ دہلی فساد متاثرین کو انصاف دلانے کے سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند پہلے ہی دہلی ہائی کورٹ میں مقدمہ لڑ رہی ہے، دوسری طرف ان لوگوں کے مقدمات کی پیروی کر رہی ہے جن کو پولیس نے اپنی اندھادھند تفتیش میں قید رکھا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ دہلی پولیس کی انکوائری کے طریقے پر سوال اٹھایا ہے، حال میں دہلی کی ایک عدالت نے دہلی پولیس پر سخت تنقید کی ہے اور اس پر جرمانہ بھی عائد کیا ہے۔

بے روزگار نوجوانوں میں دل کی بیماری کا خطرہ

پوری دنیا میں چل رہے کورونا آفت کے پیش نظر ہر طرف لوگ پریشانی کا شکار نظر آ رہے ہیں۔ کیونکہ اس وبا کی وجہ سے مہنگائی نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ لوگ بنیادی ضروریات زندگی حاصل کرنے سے بھی قاصر ہیں، تعیشات کی تو بات دور اور بدقسمتی سے

(بقیہ صـ۱۴ پر)

جمعیۃ علماء اترپردیش کے صدر حضرت مولانا متین الحق اسامہ کانپوری ؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل

ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی خصوصی اشاعت

مولانا متین الحق اسامہ نمبر

جس میں مولانا قاسمی نوراللہ مقدہٗ کے احوال زندگی، قومی و ملی خدمات
نیز دینی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے

الجمعیۃ کی ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں

رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان

آپ براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ
9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای۔میل: aljamiatweekly@gmail.com

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

Printed & Published by SHAKIL AHMAD SYED on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.